فقہ وحدیث میں علمائے احناف کا مقام

تالیف

شیخ الاسلام، محقق جلیل، امام محمد زاہد الکوثری

سرپرستی وملاحظہ

بحر العلوم، محدث کبیر حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی مدظلہ

مترجم ومحشی

محمد انوار خان قاسمی بستوی

امام کوثریؒ سیریز نمبر: ۳

فقہ و حدیث

میں علماءِ احناف کا مقام

تالیف

شیخ الاسلام، محقق جلیل، امام محمد زاہد الکوثریؒ

ولادت: ۱۲۹۶ ہجری، ۱۸۷۹ عیسوی

وفات: ۱۳۷۱ ہجری، ۱۹۵۲ عیسوی

مترجم و محشی

محمد انوار خان قاسمی بستوی

(ڈائریکٹر انڈو عرب ملٹی لنگول، وایڈیٹر اسلامک لٹریچر ریویو)

Published by

Islamic Research and Education Trust

Shehre Tayyib, Behind Eidgah, Deoband, India, Pin: 247554, Website: www.deobandcenter.com, Email: deobandcenter@gmail.com, Cell: +91 888 1115518

In association with

Maktaba Sautul Qur'an

Madani Market, Near Darul Uloom, Deoband, 247554,
Email: faizulhasanazmi@gmail.com

کتاب کے جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب:	فقہ وحدیث میں علماءِ احناف کا مقام
تالیف:	شیخ الاسلام، محقق جلیل، امام محمد زاہد الکوثریؒ
مترجم و محشی:	محمد انوار خان قاسمی بستوی
ایمیل:	anwarkhanqasmi@gmail.com
صفحات:	۸۸
تعداد:	۱۱۰۰
قیمت:	۱۰۰ روپئے
باہتمام:	فیض الحسن اعظمی
سن اشاعت:	فروری ۲۰۱۷ م جمادی الاول ۱۴۳۸ ھ
کمپوزنگ:	اِنڈو عرب ملٹی لِنگول سینٹر، شہر طیب، عقب عید گاہ، دیوبند، موبائل: 888 111 5518

ناشر

اسلامک ریسرچ اینڈ ایجوکیشن ٹرسٹ

قاسم پورہ روڈ، شہر طیب، عقب عید گاہ، دیوبند، ٹیلیفون: 226 222 01336

مع اشتراک

مکتبہ صوت القرآن، دیوبند، ضلع سہارنپور، یوپی، موبائل: 11053 93589

ملنے کے پتے

مکتبہ امام کوثریؒ، قاسم پورہ روڈ، شہر طیب، عقبِ عید گاہ، دیوبند، موبائل: 74177 21171

مکتبہ صوت القرآن، مدنی مارکیٹ، نزدِ دارالعلوم، دیوبند، موبائل: 11053 93589

دیوبند اسلامک سینٹر، قاسم پورہ روڈ، شہر طیب، عقبِ عید گاہ، دیوبند، موبائل: 888 111 5518

كان بعض السلف يقول: لا يزال الإسلام
مُشيد الأركان ما بقي له ثلاثة أشياء: الكعبة،
والدولة العباسية، والفتيا على مذهب أبي حنيفة.

بعض سلف کا قول ہے کہ اسلام کی بنیادیں اس وقت تک
مضبوط رہیں گی جب تک کہ اسلام میں تین چیزیں باقی رہیں گی:
کعبہ، خلافتِ عباسیہ، اور مذہبِ حنفی کے مطابق فقہ وفتاوی

الطبقات السنية في تراجم الحنفية ج۱ ص۱۳۹

فہرست

عنوان ______ صفحہ نمبر

○ پس منظر ______ ۸

فقہِ حنفی کا مختصر تاریخی ارتقاء ______ ۱۵

○ فقہِ حنفی: فقہ عمری وفقہِ مسعودی کا ارتقاء ہے ______ ۱۸

○ فقہِ حنفی کا شیوع ______ ۱۹

○ مذہبِ حنفی کی حیرت انگیز وسعت وجامعیت ______ ۲۰

○ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کی شہادت ______ ۲۲

○ مذہبِ حنفی اور علماءِ دیوبند ______ ۲۳

○ دیوبند: حنفیت کا سب سے عظیم مرکز ______ ۲۵

○ دیوبند کے ذریعہ مذہبِ حنفی کی نشرواشاعت اور حضرت نانوتویؒ کا خواب ______ ۲۶

○ مقدمہ ______ ۳۰

فقہ وحدیث میں علماءِ احناف کا مقام

○ تمہید ______ ۳۸

قیاس واجتہاد ______ ۴۹

○ ابراہیم نظام ـ فروعی مسائل میں قیاس کا سب سے پہلا منکر ______ ۵۰

○ منکرِ قیاس داود بن علیؒ ____ ۵۲

○ احناف کو اصحاب الرائے کہنے کی وجہ ____ ۵۴

○ امام ابو حنیفہؒ پر ناروا طعن و تشنیع ____ ۵۷

○ ابطالِ قیاس کے لیے ابنِ حزمؒ کا نعیم بن حمادؒ کی باطل حدیث سے استدلال ____ ۶۰

○ فقہاءِ اسلام کو اہل الرائے اور اہل الحدیث کے دو کیمپوں میں تقسیم کرنا ایک تاریخی غلطی ہے ____ ۶۲

○ حدیثِ معاذؓ حجیتِ قیاس کی سب سے اہم دلیل ____ ۶۴

استحسان ____ ۶۶

○ ابراہیم بن جابرؒ اور ابطالِ قیاس ____ ۶۷

○ حجیتِ استحسان سے متعلق امام ابو بکر رازی جصّاصؒ کا مفصل اور مدلل کلام ____ ۶۸

○ لفظ استحسان اور اس کا لغوی پس منظر ____ ۶۹

○ حجیتِ استحسان سے متعلق اختلاف کی نوعیت ____ ۷۰

○ استحسان کے دو معانی اور اس کی چند نظیریں ____ ۷۱

احادیث کی قبولیت کے شرائط ____ ۷۹

○ قبولِ حدیث مرسل پر علماء کا اجماع ____ ۸۰

○ احناف کے نزدیک حدیث سے استدلال کی ایک اہم شرط ____ ۸۲

○ ترجیحِ حدیث کے لیے امام طحاویؒ کا ایک انوکھا ضابطہ ____ ۸۳

○ حدیث سے استدلال کے لیے احناف کے چند دقیق اصول وضوابط ___ ۸۴

علم وفقہ میں کوفہ کا مقام ___ ۸۷

○ صحابہ کے درمیان عبد اللہ بن مسعودؓ کا مقام ___ ۸۸
○ کوفہ میں حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے کبارِ تلامذہ ___ ۹۳
○ ابراہیم نخعیؒ کا بلند مقام ___ ۹۹
○ حماد بن ابی سلیمانؒ ___ ۱۰۲
○ سرزمینِ کوفہ کا غیر معمولی علمی مقام ___ ۱۰۵
○ سرزمینِ کوفہ کا لسانی اور ادبی امتیاز ___ ۱۰۸

امام ابو حنیفہؒ کا فقہی مزاج واسلوب ___ ۱۱۱

○ امام ابو حنیفہؒ کا مختصر تعارف ___ ۱۱۳
○ مذہبِ حنفی کا شورائی نظام ___ ۱۱۵
○ امام ابو حنیفہؒ کا بے پایاں فیض اور مذہبِ حنفی کی غیر معمولی مقبولیت ___ ۱۱۸
○ مذہبِ حنفی کے بارے میں ابن خلدونؒ کی رائے ___ ۱۲۰
○ امام ابو حنیفہؒ کی قراءت ___ ۱۲۱
○ امام ابو حنیفہؒ کی جانب بے بنیاد قراءتوں کی نسبت ___ ۱۲۱
○ امام ابو حنیفہؒ کی کثرتِ حدیث ___ ۱۲۲
○ عربی زبان میں امام ابو حنیفہؒ کی غیر معمولی دستگاہ ___ ۱۲۲

- امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب ۔۔۔۔۔ ۱۲۴
- تکملہ وذیل ۔۔۔۔۔ ۱۴۸

جرح وتعدیل کی کتابوں پر ایک ناقدانہ نظر

- احناف کے خلاف عقیلیؒ اور ابن عدیؒ کی بے جا اور ظالمانہ تنقید ۔۔۔۔۔ ۱۵۸
- جرح وتعدیل کے موضوع پر امام بخاریؒ کی کتابوں سے استفادہ کرتے وقت احتیاط ۔۔۔۔۔ ۱۶۲
- جرح وتعدیل میں ابن حبانؒ کی بے اعتدالی ۔۔۔۔۔ ۱۶۳
- ابن المدینیؒ اور عبد الرحمن بن مہدیؒ ۔۔۔۔۔ ۱۶۳
- جرح وتعدیل میں خطیب بغدادیؒ کا وزن ۔۔۔۔۔ ۱۶۴
- ابنِ ابی حاتمؒ کی کتاب الجرح والتعدیل ۔۔۔۔۔ ۱۶۶
- ساجیؒ کا تعصب ۔۔۔۔۔ ۱۶۷
- احناف پر اعتراض کرنے والا جہالت یا جمود کا شکار ۔۔۔۔۔ ۱۶۷
- علاقائیت، قومیت اور مذہبیت کی بنیاد پر جرح وتعدیل ۔۔۔۔۔ ۱۶۹
- محدثین کی متعصبانہ جرح کے بارے میں ابن الجوزیؒ کا قیمتی تبصرہ ۔۔۔۔۔ ۱۷۱
- حافظ ابن حجرؒ کا تعصب اور حقیقت پوشی ۔۔۔۔۔ ۱۷۴
- فہرستِ مراجع ۔۔۔۔۔ ۱۷۹

پسِ منظر

ہدست کتاب امام کوثریؒ کی "فقه أهل العراق وحديثهم" کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کے ظہور کا پسِ منظر یہ ہے کہ ہندوستان کے مشہور ومعروف تحقیقی واشاعتی ادارہ مجلسِ علمی نے ۱۳۵۷ھ میں فنِ حدیث کی کوہ قامت شخصیت حافظِ وقت، امام زیلعی حنفیؒ کی کتاب "نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية" کی اشاعت کا منصوبہ بنایا کیوں کہ یہ کتاب فروعی مسائل میں تمام مذاہبِ فقہیہ کے دلائل کا سب سے مستند اور جامع ترین انسائیکلوپیڈیا ہے جس کی نظیر فنِ حدیث کی کتابوں میں نہیں ملتی۔ بعد میں آنے والے تقریباً تمام حفاظ ومحدثین نے تخریج کی کتابوں میں اسی کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ کتاب کی غیر معمولی اہمیت کے پیشِ نظر، مجلسِ علمی نے یہ قرار داد منظور کی کہ اس کتاب کے ساتھ ایک تعارفی مقدمہ بھی شائع کیا جائے جس میں فقہِ حنفی کی امتیازی خصائص، معترضین کے جوابات، امام ابوحنیفہؒ کے مستند فضائل، اور آپ کے فقہی منہج اور مزاج پر بطورِ خاص روشنی ڈالی جائے تاکہ عوام وخواص زیلعیؒ کی کتاب سے استفادہ سے قبل مذہبِ حنفی کے نمایاں امتیازات سے بخوبی واقف ہوجائیں۔ چنانچہ مجلس کے متفقہ فیصلہ سے یہ ریزولیوشن پاس کیا گیا کہ اس عظیم کام کو امام کوثریؒ کے حوالے کیا جائے کیوں کہ اس پیچیدہ، مشکل اور دقیق علمی کام کو انجام دینے کے لیے عالمِ اسلام میں امام

کوثریؒ سے زیادہ موزوں شخصیت کوئی بھی نہیں ہے۔ چنانچہ جب امام کوثریؒ کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی گئی، تو آپ نے اسے قبول فرمالیا، اور اس کے بعد آپ کے قلم سے مذہبِ حنفی کی تعریف اور تعارف میں ایسے جواہر پارے نکلے جسے دیکھ کر علماء حیران ہوگئے، اور عاشقانِ ابوحنیفہؒ طرب وسرور کی کیفیت میں شاداں ورقصاں نظر آنے لگے۔ ظاہر ہے مذہبِ حنفی کے رخِ رنگیں اور خالِ مشکیں کی آئینہ داری امام کوثریؒ سے زیادہ بہتر انجام دینے کا مستحق کون ہوسکتا ہے؟

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

تاریخ شاہد ہے پچھلے تیرہ سو سال میں انفرادی طور پر احناف کا دفاع امام کوثریؒ سے زیادہ کسی نے نہیں کیا ہے۔(1) گویا آپ کی شمشیر بے نیام نے مذہبِ حنفی کے خلاف اٹھنے والی ہر ظالمانہ آواز کو خاموش کرنے کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔ جرح وتعدیل اور طبقات وتراجم کی کتابوں میں احناف کے خلاف بعض محدثین نے جو زبان درازیاں کی ہیں اور ان کے ساتھ جو سوتیلا برتاؤ کیا گیا ہے وہ علم حدیث سے اشتغال رکھنے والے حضرات پر مخفی نہیں ہے۔ لیکن اس ناانصافی سے

(1) محدثِ کبیر، استاذ محترم، بحر العلوم، حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی دامت برکاتہم سے بھی احقر نے ایک بار یہ ذکر کیا کہ حضرت ہمارے علماء میں ایسا کوئی نظر نہیں آتا جس نے رجالِ احناف کا اتنا دفاع کیا ہو جتنا امام کوثریؒ نے کیا ہے۔ حضرت والا نے اس کی تصدیق فرمائی، اور اس میدان میں امام کوثریؒ کی بے نظیر خدمات کا کھل کر اعتراف فرمایا۔

پردہ اٹھانے کے لیے ایک نہایت عبقری مؤرخ اور نقاد اور طبقات وتراجم کے ماہر کی ضرورت تھی جس نے متقدمین اور متاخرین کی تمام کتابوں کو چھان رکھا ہو اور جس کے سامنے مکتباتِ عالم کے مخطوط علمی خزینے ہمہ وقت منکشف ہوں اور وہ تمام مصنفین کے مسالک ومذاہب اور عادات واحوال سے بخوبی واقف ہو۔ ظاہر ہے علامہ کوثریؒ سے زیادہ اس میدان میں کس نے صحرا نوردی کی ہوگی؟ امام کوثریؒ کے دور کے ایک عظیم محدث، علامہ عبد العزیز غماریؒ علامہ کوثریؒ کی تعریف میں فرمایا کرتے تھے کہ: وأما التاريخ وتراجم الرجال فكانت عنده كلوح ينظر فيه لايغيب منه عن ذهنه منهما شيء (یعنی شیخ کوثریؒ طبقات وتراجم اور تواریخ ورجال کے اتنے ماہر تھے گویا ان فنون کی ساری کتابیں ہمہ وقت آپ کے سامنے کھلی ہوئی ہوں۔) ملاحظہ فرمائیں شیخ عبد العزیز غماریؒ کی کتاب "السفينة" ج۱ص۱۷۱۔

باوجود اس حقیقت کے کہ امام کوثریؒ کی کتابوں نے عالم عرب میں ایک انقلاب برپا کردیا، اور پوری دنیائے عرب ایک طویل عرصہ سے آپ کی کتابوں سے مستفید ہورہی ہے، برِ صغیر کے اکثر علماء امام کوثریؒ کی کتابوں سے استفادہ سے اب تک محروم ہیں۔ چنانچہ تقریباً ۱۲ سال پہلے احقر نے اس خلا کو پر کرنے کے لیے اس بات کا عزم کیا تھا کہ اس عظیم ذخیرہ کو اپنی مادری زبان اردو میں ضرور منتقل کرنا ہے۔ الحمد للہ اب تک سات کتابیں قارئین کے ہاتھوں میں پہونچ چکی ہیں اور اہل علم سے خراجِ تحسین حاصل کرچکی ہیں، اور

اس کے علاوہ بعض دیگر کتابوں پر بھی کام مکمل ہو چکا ہے۔

عجیب بات ہے کہ احقر نے سب سے پہلے ترجمہ و تعلیق کے لیے امام کوثریؒ کی اسی کتاب کا انتخاب کیا تھا؛ لیکن متعدد اسباب کی بنا پر اس کتاب کا ترجمہ بروقت انجام پذیر نہ ہو سکا اور تکمیل کی راہ میں متعدد حواجز کی وجہ سے یہ کتاب معرضِ تعویق میں آ گئی۔ اس کتاب کا ترجمہ احقر نے ۲۰۰۴ء میں شروع کیا تھا؛ لیکن دریں اثنا اردو اور انگریزی کے متعدد رسائل زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہونچ چکے ہیں۔ تقریباً بارہ سال بعد خدا کے خاص فضل و عنایت سے احقر یہ کتاب قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

اس کتاب اور امام کوثریؒ کی دیگر کتب کے ترجمہ میں زیادہ آزادانہ ترجمہ نگاری سے گریز کیا گیا ہے۔ صرف ایسے مقامات پر آزادی کا مظاہرہ کیا گیا ہے جہاں الفاظ کی قیود میں رہنے سے ترجمہ کے مخل ہونے کا اندیشہ محسوس کیا گیا۔ چونکہ یہ کتاب نہایت عالمانہ، مؤرخانہ، فقیہانہ، محدثانہ، اور ناقدانہ ہے اس لیے بعض دفعہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ کوئی پیراگراف صرف ایک بار کی خواندگی میں گرفت میں نہ آئے۔ اس لیے ایسے مقامات پر دو یا دو سے زیادہ بار پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں تا کہ بات اچھی طرح سے واضح ہو جائے؛ لیکن ایسے مقامات بہت ہی کم ہیں۔

امام کوثریؒ نے متعدد عربی کتابوں کا نام اختصار سے ذکر فرمایا ہے؛ لیکن ہم نے ترجمہ میں مکمل نام ذکر کر دیا ہے تا کہ قارئین کو کسی کتاب کی نشاندہی میں کوئی

دشواری نہ ہو۔ مثلاً امام کوثریؒ نے اس کتاب میں ایک جگہ امام نوویؒ کی ایک مشہور کتاب "خلاصة الأحكام في مهمات السنن وقواعد الإسلام" کا ذکر کرتے وقت صرف "الخلاصة" لکھا ہے؛ لیکن ہم نے ترجمہ میں اس کتاب کا پورا نام قارئین کی سہولت کی غرض سے ذکر کر دیا ہے۔

اب تک امام کوثریؒ کی اس کتاب کے متعدد عربی ایڈیشنز شائع ہو چکے ہیں۔ سب سے پہلا ایڈیشن "نصب الراية" کے ساتھ ہندوستان کے موقر ادارہ مجلسِ علمی سے شائع ہوا۔ اس کے بعد امام کوثریؒ کے تلمیذِ اعظم، محدثِ جلیل، علامہ عبد الفتاح ابو غدہ حلبی نور اللہ مرقدہ نے علماء کے اصرار پر اسے علیحدہ ایک رسالہ میں اپنی شاندار تحقیقات وتعلیقات کے ساتھ شائع کیا۔ اس نسخہ کی تحقیق میں شیخ ابو غدہؒ کی علمی اور تحقیقی عرق ریزی واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ ایڈیشن مصر سے شائع ہوا۔ اس ایڈیشن کا امتیاز یہ ہے کہ شیخ ابو غدہؒ نے حسبِ عادت ظاہری اور معنوی طور پر ہر طرح سے اس کو معیاری بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

نیز مختلف اسلامی ممالک میں جہاں بھی "نصب الراية" کو شائع کیا گیا، عام طور پر اس کے ساتھ امام کوثریؒ کے مقدمہ کو بھی ضروری طور پر شامل کیا گیا۔ اس کے بعد ۲۰۰۹ء مطابق ۱۴۳۰ھ میں شیخ ابو غدہؒ کے شاگرد ڈاکٹر محمد سالم ابو عاصی کی تحقیق کے ساتھ امام کوثریؒ کا یہ رسالہ دار البصائر، قاہرہ سے دوبارہ شائع ہوا۔ احقر نے علامہ ابو غدہؒ کی تحقیق کردہ نسخے کو اس ترجمہ میں اصل بنایا ہے اور آپ کی قیمتی حواشی سے خوب استفادہ کیا ہے۔ ڈاکٹر سالم کی

تعلیقات سے بھی بعض مقامات پر استفادہ کیا ہے۔ڈاکٹر سالم کی تحقیق میں ایک عیب یہ ہے کہ انھوں نے شیخ ابو غدہ کی تعلیقات سے کافی استفادہ کیا ہے؛ لیکن بہت جگہوں پر ان تعلیقات میں شیخ ابو غدہؒ کا نام تک ذکر نہیں کیا ہے جو کہ ایک واضح علمی حق تلفی ہے۔

ناچیز استاذِ معظم، محدثِ کبیر، بحر العلوم، حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی ـــ اطال اللہ بقائہ ـــ کا شکر گزار ہے کہ حضرت والا احقر کے ذریعہ ترجمہ کردہ ان علمی کاموں اور حواشی وتعلیقات پر ناقدانہ نظر ڈال رہے ہیں اور اپنے گرانمایہ مشوروں اور افادات سے حقیر کی کاوشوں کو مالامال فرمارہے ہیں۔ہماری دعا ہے کہ اللہ رب العزت حضرت کا سایہ ہم پر تادیر قائم رکھے تا کہ امام کوثریؒ کا یہ حیرت انگیز علمی خزانہ آپ کی زیرِ نگرانی مترجم شکل میں عوام وخواص کے ہاتھوں میں پہونچ جائے اور ہم سب آپ کے علمی افادات سے زیادہ سے زیادہ مستفیض ہوسکیں۔

اسی طرح سے احقر عزیزم محمد سعدان دیوبندی کا شکر گذار ہے جنھوں نے پروفریڈنگ کے ذریعہ اس رسالہ کو کمپوزنگ کی اغلاط سے پاک کرنے میں حتی المقدور کوشش کی۔اللہ موصوف کو علمی اور عملی ترقیات سے نوازے۔

آخر میں امید ہے کہ امام کوثریؒ کی یہ کتاب اہل علم حضرات کے لیے گنج گرانمایہ ثابت ہوگی اور علماء اور طلبہ سب کے لیے نافع ثابت ہوگی۔اس کے بعد امام کوثریؒ کے شائع کئے جانے والے مترجَم رسائل مندرجہ ذیل ہیں:

- طلاقِ ثلاث
- اماکوثری اہلِ علم کی نظر میں
- حیاتِ امام ابو یوسفؒ
- حیاتِ امام محمد بن الحسن شیبانیؒ
- حیاتِ امام زفرؒ
- حیاتِ حسن بن زیادؒ و محمد بن شجاع ثلجیؒ
- حیاتِ امام طحاویؒ
- حیات امام بدر الدین عینیؒ
- امام ابو حنیفہؒ پر کئے گئے اعتراضات کے جوابات (یعنی تانیب الخطیب)
- مقالاتِ کوثریؒ
- مناقبِ ابو حنیفہ وصاحبین

محمد انوار خان، دیوبند
۳۰ دسمبر ۲۰۱۶

فقہِ حنفی کا مختصر تاریخی ارتقاء

خدائے ذوالجلال نے ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین، جنابِ رسول اللہ ﷺ تک برگزیدہ انسانوں کی ایک مقدس جماعت کو مبعوث فرمایا جو آسمانِ رشد وہدایت کے تابندہ ودر خشندہ کہکشاں تھے۔ ہر دور میں اللہ رب العزت نے ہر نبی کی قوم کے شایانِ شان اور بشری تقاضوں کے مطابق ایک کامل اور جامع دستورِ حیات نازل فرمایا تاکہ اس کی روشنی میں انسانیت خدا کی معرفت حاصل کرسکے اور انبیاء کے لائے ہوئے دین کو حرزِ جان بناسکے۔ کم وبیش تمام انبیاء کے ایسے انصار وحوارین رہے ہیں جنھوں نے ان برگزیدہ ہستیوں کی رہنمائی کے مطابق اپنے دینی اور دنیوی امور کو ڈھالنے کو سعادت سمجھا اور ان کے ایک ایک حکم اور اشارے پر اپنی زندگیاں قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہے۔ لیکن تمام انبیاء کے دور میں انسانوں کی ایک بڑی جماعت ان کی مخالفت کرتی رہی، ان کی دعوت کو دامے درمے سخنے قدمے نقصان پہونچاتی رہی، اور اس طرح سے شقاوت وبدبختی ان کا مقدر بن کر رہ گئی۔ یہی نہیں؛ بلکہ انبیاء کی ایک بڑی تعداد کو بنی اسرائیل کے ہاتھوں قتل تک کیا گیا۔ العیاذ باللہ۔

انبیاءِ کرام کے اس دارِ فانی سے دارِ جاودانی کی جانب کوچ کرتے ہی متعدد دینی

فرقے اور سیاسی جماعتیں اپنا ناپاک ایجنڈا لے کر سماج کے سامنے ظاہر ہوئیں۔ بعض نے ان انبیاء کی مقدس کتابوں میں تحریف کا بیڑا اٹھایا اور کتبِ مقدسہ کو ردوبدل کر کے تختہ مشق بنادیا، جب کہ بعض دیگر فتنہ پردازوں نے انبیاء کے دین میں خرافات واوہام، اور بے سروپا باتوں کو داخل کر کے دین کے ساتھ بد ترین تمسخر کیا، اور اس طرح سے خدا کے ذریعہ یہ بھیجی ہوئی کتابیں تحریف کی نذر ہونے کی وجہ سے اکثر لوگوں کے لیے سامانِ زیغ وضلال بن گئیں۔

لیکن اللہ رب العزت نے انسانیت کے لیے اپنے سب سے آخری نبی محمد ﷺ کا انتخاب فرمایا اور آپ کو ایسی کتاب عطا کی جس کو ہمیشہ تمام تحریفات اور ردوبدل سے محفوظ رہنے کی خدائی ضمانت دے دی گئی ہے اور جسے کوئی بھی شخص کسی بھی دور میں تختہ مشق نہیں بنا سکتا۔ چنانچہ قرآن جس طرح رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں پورے طور پر محفوظ تھا، بالکل اسی طرح سے یہ مقدس وحی آج بھی امتِ مسلمہ کے سامنے محفوظ ہے جس میں کسی بھی رد وبدل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چونکہ قرآن تمام سابقہ کتابوں کا نچوڑ، تکملہ اور تتمہ ہے اور تا روزِ قیامت پیدا ہونے والے تمام انسانوں کے لیے آخری مصدرِ رشد وہدایت ہے، اس لیے اللہ تعالی نے اسے انتہائی جامع اور مکمل ترین شکل میں آخری وحی کے طور پر بھیجا، اور یہی کتاب مسلمانوں کا سب سے بڑا فقہی اور تشریعی مصدر ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابؓ کے اقوال وافعال، ارشادات وہدایات گویا کلام اللہ ہی کی شرح وتوضیح ہیں۔

دورِ نبوی میں خود رسول اللہ ﷺ تمام فقہی، سیاسی، علمی، اور اعتقادی مسائل

کا حل اپنے اصحابؓ کے سامنے بقدرِ ضرورت پیش فرمایا کرتے تھے۔ صحابۂ کرامؓ کو جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا، تو یہ حضرات بارگاہِ رسالت کی جانب رجوع فرماتے اور اپنے سوالات کے جوابات حاصل کر لیتے۔ لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد اسلام دور دراز ممالک میں پھیل گیا اور امت کے سامنے نئے نئے مسائل پیدا ہونے لگے۔ عالمِ اسلام میں بسنے والے مسلمانوں نے مسائل اور استفتاء کے لیے فطری طور پر مستند علماء وفقہاء کی جانب رجوع کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ صحابہؓ میں ایک تعداد ایسی تھی جو مسائل و فتاوی میں شہرت رکھتی تھی جنھیں فقہاءِ صحابہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حافظ ابن حزم ظاہریؒ نے "النبذ في أصول الفقه "میں اور امام ابن القیمؒ نے "إعلام الموقعين" میں ان مجتہدینِ صحابہؓ کی تفصیل پیش کی ہے جن کی خدمت میں حاضر ہو کر صحابۂ کرامؓ اور تابعینِ عظامؒ اپنے دینی مسائل کا حل طلب کیا کرتے تھے۔

یقیناً صحابہؓ میں ایک جماعت اجتہاد و فتاوی کی ذمہ داری انجام دیتی تھے؛ لیکن عام طور پر ان کا یہ کام انفرادی ہوا کرتا تھا۔ ان کا کوئی مکتبِ فکر اور منظم مدرسہ نہیں تھا۔ سوال یہ اٹھتا ہے کہ منظم طور پر فقہ واجتہاد کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ اس سوال کا جواب دینے کے لیے مورخین لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے صحابی جن کو منظم اور اجتماعی انداز سے فقہ وفتاوی کے موضوع پر کام کرنے کا شرف حاصل ہے وہ ہیں معلم الامۃ، استاذ المسلمین، مجتہدِ اعظم، حلال المشکلات، خادمِ رسول، منبع الفقہ والفتیا، خادم الرسول، صحابی جلیل سیدنا عبد اللہ

بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں: لم يكن أحد له أصحاب معروفون حرروا فتياه ومذاهبه في الفقه غير ابن مسعود. (ابن مسعودؓ کے علاوہ (صحابہ میں) کوئی ایسا نہیں گذرا ہے جس کے معروف تلامذہ ہوئے ہوں، اور جس کے فقہی مسائل کو منضبط اور مرتب کیا گیا ہو۔) ملاحظہ فرمائیں: إعلام الموقعين ج۲ ص۲۷-۳۶

فقہِ حنفی: فقہ عمری وفقہِ مسعودی کا ارتقاء ہے

مورخ ابن جریرؒ کی مذکورہ عبارت کی بنیاد پر ہم بآسانی اس بات کا دعوی کر سکتے ہیں کہ سب سے پہلا اور سب سے مستند فقہی مدرسہ منظم طور پر عالم اسلام میں ظہور پذیر ہونے والا عبد اللہ بن مسعودؓ کا قائم کردہ مدرسہ ہے جو سیدنا عمر بن الخطابؓ کی زیر نگرانی سرزمینِ کوفہ میں وجود میں آیا۔ در اصل فقہِ حنفی اسی متوارث عمری ومسعودی فقہ کا ارتقاء وتوسیع ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے دور میں یہ فقہ آپ کے عبقری تلامذۃ کی بدولت اپنے عروج کو پہونچ گئی اور چار دانگِ عالم میں پھیل گئی اور اسلامی قانون کی شکل اختیار کرلی۔ اس کے بعد کوفہ میں فقہ واجتہاد کا جو سلسلہ جاری ہوا اس کی نظیر تاریخ اسلام میں نہیں ملتی۔ سرزمین کوفہ کے فقہاء نے اپنے حیرت انگیز علمی اور فقہی اجتہادات، استنباطات اور استخراجات، اور قانونی تاصیل وتفریع، اور تحقیق وتدقیق کے ذریعہ فقہِ اسلامی کی جو خدمت کی ہے وہ انسانی تاریخ کا سب سے بڑا قانونی ذخیرہ ہے جس کی کچھ تفصیل آپ امام کوثریؒ کی اس کتاب میں آگے بھی پڑھیں گے۔

فقہِ حنفی کا شیوع

خلافتِ عباسیہ میں امام ابویوسفؒ کو جب قاضی القضاۃ کے عہدہ پر سرفراز کیا گیا، اسی وقت سے فقہِ حنفی آسمان کی بلندیوں کو پہونچ گئی۔ گویا مذہبِ حنفی اسلام کا سرکاری مذہب بن گیا۔ اور پورے عالمِ اسلام میں قضاء کے عہدے سے اسی کو سرفراز کیا جاتا تھا جو مذہبِ حنفی کا ماہر اور متخصص ہوتا۔

خلافتِ عباسیہ کے بعد خلافتِ عثمانیہ میں طویل صدیوں تک مذہبِ حنفی ہی سرکاری مذہب رہا ہے۔ اس کے علاوہ مغلیہ سلاطین سارے کے سارے مذہبِ حنفی کے مقلد تھے اور سلطنت کے تمام احکام وفرامین مذہبِ حنفی ہی کی روشنی میں صادر فرمائے جاتے تھے۔ فتاوی ہندیہ سے آج کون ناواقف ہے؟ اس حیرت انگیز فقہی ذخیرہ کو بعد کی مغلیہ سلطنت کا قانونی دستاویز اور آئینِ مملکت مانا جاتا تھا۔

خلافتِ عباسیہ، خلافتِ عثمانیہ، اور سلطنتِ مغلیہ اسلامی تاریخ کے تین ربع سے زیادہ عرصہ کو محیط ہیں، اور اس بات سے ہر کوئی واقف ہے کہ یہ تینوں ہی حنفی مذہب پر کاربند رہے ہیں۔ اس مذہب کے شیوع کا سب سے اہم سبب ظاہر ہے اس کے بانیان کا اخلاص اور ان کی للٰہیت، اور ان کا فقہی تعمق اور قانونِ شریعت کا غیر معمولی احاطہ ہے؛ لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اس مذہب کے اصولِ استنباط میں وہ طاقت اور لچک ہے جو کسی بھی دور میں فقہِ اسلامی کو درپیش چیلنج کا بھرپور جواب دینے کے لیے کافی

ہے اور اس تغیر پذیر دنیا میں کسی بھی وقت ان اصولوں کی روشنی میں نت نئے مسائل وحوادث وواقعات ونوازل کا کافی وشافی حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ امام ابن حزم ظاہریؒ کا یہ دعوی بالکل بے بنیاد ہے کہ اگر مذہب حنفی کے پیچھے حکومت کار فرمانہ ہوتی تو یہ مذہب نہ پھیلتا؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حکومتیں اس مذہب کو اختیار کرنے پر ایک طرح سے مجبور تھیں۔ کسی بھی حکومت کو چلانے کے لیے ایسا قانونی ڈھانچہ چاہئے جو تمام انسانی شعبوں اور دینی ودنیاوی گوشوں کا کامل احاطہ کرتا ہو اور ظاہر ہے یہ خوبی مذہبِ حنفی سے زیادہ کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتی۔

مذہبِ حنفی کی حیرت انگیز وسعت وجامعیت

جو فقیہ بھی امورِ قضائیہ اور مسائلِ اجتہادیہ کا بغور مطالعہ کرے گا اور پھر مختلف مذاہب ومسالک کا اصولی وفروعی جائزہ لے گا وہ اس حقیقت کو قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مذہبِ حنفی کے اندر واقعی ایسی حیرت انگیز جامعیت وہمہ گیریت ہے جس نے اس مذہب کی مقبولیت کو اوجِ ثریا پر پہونچادیا اور آج تک تاریخِ انسانیت میں اتنا عظیم اور منظم قانونی مذہب اور مسلک کوئی پیش نہ کر سکا۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر مذاہب کے مقلدین بھی نکاح وطلاق، بیوع ومعاملات کے بے شمار مسائل میں فقہِ حنفی کی تقلید کو ترجیح دیتے ہیں۔

مذہبِ حنفی کی اسی حیرت انگیز وسعت وجامعیت کا ذکر کرتے ہوئے فقیہ الادباء، ادیب الفقہاء، علامہ علی طنطاویؒ "رجال من التاریخ"

ص۲۵۴-۲۵۳میں فرماتے ہیں: والمذهب الحنفي اليوم أوسع المذاهب انتشارا، واوسعها فروعا واقوالا، وهو انفع المذاهب في استنباط القوانين الجديدة، والاجتهادات القضائية، يليه في كثر الفروع المذهب المالكي، وقد عرفت ذلك في السنين التي اشتغلت فيها بوضع مشروع قانون الأحوال الشخصية، وسبب ذلك أن المذهب الحنفي صار مذهب دولة مدة العباسيين والعثمانيين، وهي ثلاثة ارباع التاريخ الأسلامي، والمالكي مذهب المغرب طول هذه المدة، فكثرت فيهما الفروع والمناقشات، اما المذهب الشافعي فلم يكن مذهبا رسميا الا حقبة قصيرة أيام الأيوبيين، بينما اقتصر المذهب الحنبلي على نجد والحجاز اليوم. (مذہبِ حنفی آج پوری دنیا میں تمام مذاہب میں سب سے زیادہ متداول اور شائع مذہب ہے، اور اسی طرح سے فقہی جزئیات واقوال کے اعتبار سے یہ مذہب سب سے زیادہ مالامال ہے۔ نت نئے قوانین وضوابط کے استنباط، اور قضاء سے متعلق اجتہادات میں اس سے زیادہ نافع مذہب کوئی بھی نہیں ہے۔ مذہبِ حنفی کے بعد کثرتِ فروع وجزئیات میں دوسرا مذہب مالکی ہے۔ مجھے اس کا اندازہ ان سالوں میں ہوا جب میں پرسنل لاء کی منصوبہ سازی پر کام کر رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عباسی اور عثمانی خلافتوں کے دوران مذہبِ حنفی سرکاری مذہب تھا، اور یہ دونوں ہی خلافتیں تاریخ اسلام کے تین ربع کو محیط ہیں، جب کہ اس پوری مدت میں مالکی مذہب اندلس کا سرکاری مذہب رہا ہے، اسی لیے ان دونوں ہی مذاہب میں فروعی مسائل اور فقہی مناقشات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس مذہبِ شافعی ایوبی سلطنت کے دوران ہی مختصر مدت کے لیے سرکاری مذہب کی حیثیت رکھتا تھا، جب کہ حنبلی

مذہب اس وقت نجد اور حجاز میں میں محدود ہو کر رہ گیا ہے۔)

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کی شہادت

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا مستشرقین اور مغربی مصنفین کا عظیم ترین علمی اور ادبی کارنامہ ہے اور اسے انگریزی زبان کا سب سے اہم موسوعہ مانا جاتا ہے۔ اس انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار نے فقہِ حنفی کی ہم آہنگی، لچک اور وسعت کا اعتراف مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:

The school of Abū Ḥanīfah acquired such prestige that its doctrines were applied by a majority of Muslim dynasties.

His legal acumen and juristic strictness were such that Abū Ḥanīfah reached the highest level of legal thought achieved up to his time. Compared with his contemporaries, the Kufan Ibn Abī Laylā (d. 765), the Syrian Awzā ī (d. 774), and the Medinese Mālik (d. 795), his doctrines are more carefully formulated and consistent and his technical legal thought more highly developed and refined.

(یعنی ابو حنیفہؒ کے مذہب کو اتنا اثر ورسوخ حاصل تھا کہ اکثر اسلامی خلافتیں اور بادشاہتیں اسی مذہب کی پیروکار تھیں۔ ابو حنیفہؒ کی قانونی اور فقہی بصیرت وذکاوت اس زمانہ تک حاصل کی گئی قانونی فکر کے سب سے اعلیٰ معیار تک پہونچی ہوئی تھی۔ اپنے معاصرین ابن ابی لیلیٰؒ کوفی متوفی ۷۶۵ء، اوزاعیؒ شامی متوفی

زیادہ محتاط انداز سے کی گئی ہے اور اس میں استقلال اور ہم آہنگی زیادہ ہے اور آپ کے علمی اور قانونی افکار اوروں کے مقابلہ میں زیادہ معیاری انداز سے مرتب اور منقح کئے گئے ہیں۔) ملاحظہ فرمائیں انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا ج ا ص ۱۹۔

مذہبِ حنفی اور علماءِ دیوبند

فقہِ حنفی کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ اس مذہب کو فروغ دینے میں علماءِ عراق کا ہاتھ رہا ہے۔ ظاہر ہے اس مذہب کی تاسیس، اور ترتیب وتدوین کا حیرت انگیز کارنامہ اسی سرزمین کے ایک عظیم اور تاریخی شہر کوفہ کے حصے میں آیا۔ اس کے بعد خلافتِ عباسیہ میں صدیوں تک اس مذہب کے پیروکاروں اور فقہاء ومحدثین نے اس مذہب کی تائید اور تقویت کے لیے متعدد تصانیف لکھیں۔ عباسی دور کے بعد خلافتِ عثمانیہ کا زریں دور شروع ہوتا ہے جس میں فقہِ حنفی پر ہزاروں اہم کتابیں تصنیف کی گئیں اور اس مذہب کو اصولی اور فروعی طور پر نہایت مدلل اور منقح کیا گیا۔

آخری دور میں سرزمینِ ہند کو اللہ نے گوناگوں نعمتوں سے نوازا اور اس ملک میں ایسے عباقرہ اور حیرت انگیز رجالِ کار پیدا کئے جنھوں نے زہد وتصوف میں شبلی وجنید بغدادی، اور فکر وفلسفہ میں رازی وغزالی، حدیث ورجال میں ذہبی وابن حجر، فقہ واصول میں مرغینانی وسرخسی، تفسیر میں زمخشری اور جرجانی، اور اسرار وحقائق میں حارث محاسبی اور ابن عربی کی یادیں تازہ کردیں اور ایشیاءِ کوچک ان عہد ساز شخصیتوں کے علوم وفنون، مجاہدانہ کارناموں، اور ہو حق کی صداوں سے گونجنے لگا۔ اسی دور میں علماءِ ربانیین کی ایک جماعت نے مجددِ اسلام، امام المتکلمین حضرت نانوتویؒ متوفی ۱۲۹۷ھ کی زیرِ قیادت ایشیاء کی عظیم ترین یونیورسٹی دارالعلوم

دیوبند کی بنیاد ڈالی۔ اس ادارے سے منسلک اور یہاں کے فارغ التحصیل علماء وفقہاء، محدثین ومفسرین، فلاسفہ ومتکلمین، عباد وزہاد، خطباء وواعظین، سیاسی ماہرین ومجاہدین نے برِ صغیر میں ایک علمی اور فکری انقلاب برپا کردیا۔ اسی کاروانِ علم ودانش اور مرکزِ فکر وآگہی سے تعلق رکھنے والی شخصیتوں نے جہاں دین کے تمام شعبوں میں تجدیدی کارنامہ انجام دیا، وہیں ان حضرات نے مذہبِ حنفی کی عظیم خدمت کی اور اس مذہب پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیئے اور فقہِ حنفی کی تائید وتقویت میں ان حضرات نے عربی اور اردو زبان میں سیکڑوں ایسی تصانیف رقم کیں جو اس وقت علمی اور فکری تاریخ کا ایک لازوال حصہ بن چکی ہیں اور بر صغیر میں اسلامی علوم وفنون کے بقاء کی ضامن بن چکی ہیں۔ امام المتکلمین، محمد قاسم نانوتویؒ، سید الطائفہ، فقیہ ومجتہد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، محدثِ کبیر مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ، امامِ حریت، بطلِ جلیل، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، محدثِ ناقد، علامہ ظہیر احسن نیمویؒ، محدثِ عدیم النظیر، امام العصر محمد انور شاہ کشمیری، حکیم الامت المحمدیہ، مجدد الملۃ الاسلامیہ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، محقِق العصر، متکلم اسلام، شارح صحیح مسلم مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ الاسلام، مجاہدِ آزادی مولانا حسین احمد مدنیؒ، مفتیِ اعظم، شیخ الحدیث، محققِ ماہر، شیخ کفایت اللہ دہلویؒ، محدثِ کبیر، مولانا عبد العزیز پنجابیؒ، محدثِ جلیل، شیخ مہدی حسن شاہجہاں پوریؒ، محدثِ عظیم، متکلمِ دوراں، مفسرِ بے مثال، شارح مشکوۃ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مفسرِ دوراں، علامہ مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، شیخ الحدیث، مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، داعیِ اسلام، امامِ ربانی، عالم ملہم شیخ محمد یوسف کاندھلویؒ، محدثِ وقت، علامہ بدرِ عالم میرٹھی، محدثِ ناقد، فقیہِ جلیل، شیخ ظفر احمد عثمانیؒ، محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوریؒ،

محدثِ جلیل، شیخ حبیب الرحمن اعظمیؒ، محدث ناقد، شیخ ماہر، علامہ محمد عبد الرشید نعمانیؒ وغیرہ حضرات نے مذہبِ حنفی کی خدمت اور تائید میں ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں جس کی نظیر تاریخ میں مشکل سے ملتی ہے۔ ان ائمہ کی تصانیف اور کتابوں میں تقریباً تمام مباحث میں کچھ ایسے علمی نکات ولطائف ملتے ہیں جس کا ذکر قدیم مصنفین وشارحین تک کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ چنانچہ فقہِ حنفی کی تائید میں ان بلند پایہ دیوبندی علماء کی جو عربی اور اردو شروحات وحواشی اور تعلیقات وامالی ہیں ان میں جا بجا ایسی تاویلات وتفسیرات، تشریحات وتوضیحات، جمع وتطبیق، اور توفیق وترجیح کے کچھ ایسے علمی نمونے بیان کئے گئے ہیں جو متقدمین کی کتابوں تک میں دستیاب نہیں ہیں، اور یہ ان اکابر وعظماء کی عبقریت وتبحرِ علمی کا بیّن ثبوت ہیں۔

دیوبند: حنفیت کا سب سے عظیم مرکز

اس میں کوئی شک نہیں کہ تقریباً پچھلی دو صدی سے اللہ رب العزت نے اہلِ ہند کو اپنی خاص عنایات وتوجہات سے بہرہ مند کیا ہے، اور اس پورے عرصے میں جہاں دیوبند نے پوری دنیا میں اپنے لازوال علمی اور اصلاحی نقوش چھوڑے ہیں، وہیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ نے اس سرزمین کو مذہبِ حنفی کا سب سے بڑا مرکز بنادیا ہے۔ دیوبند کے جہاں بہت سارے امتیازات ہیں، وہیں اس مکتبِ فکر کا ایک اہم امتیاز دفاع عن المذہب الحنفی ہے۔ حنفیت دیوبندیت کا اہم ترین عنصر ہے۔ مفکرِ اسلام مولانا ابو الحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ دیوبندیت کی تعریف کرتے ہوئے اپنی کتاب "المسلمون في الهند" ص ۱۱۴ ۱۱۶- میں بجا طور پر فرماتے ہیں: وشعارُ دار العلوم ديوبند: التمسّكُ بالدِّين، والتصلُّب في المذهب الحنفي، والمحافظة على

القدیم، والدّفاعُ عن السُنّة. (یعنی دار العلوم دیو بند کا شعار دین کو مضبوطی سے تھامنا، مذہبِ حنفی پر سختی سے کاربند رہنا، اور قدیم روایات کو زندہ رکھنا، اور دفاع عن السنہ ہے۔) مفکر اسلام مولانا ابوالحسن ندویؒ نے اپنے مورخانہ اور مفکرانہ اسلوب میں چند لفظوں میں دیوبند کی جو نہایت جامع تعریف پیش کی ہے وہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے اور تصلب فی المذہب الحنفی واقعی اس مکتبِ فکر کا نہایت اہم عنصر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے بانیان نے روزِ اول ہی سے اس مذہب کی خدمت کی اور سیدنا عمر بن الخطابؓ، سیدنا علی ابن ابی طالبؓ اور خاص کر سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ کی اس متوارث فقہ کی ہر طرح سے حفاظت اور آبیاری کی ہے۔

دیوبند کے ذریعہ مذہبِ حنفی کی اشاعت اور حضرت نانوتویؒ کا خواب

روزِ اول ہی سے کچھ ایسے منامات اور بشارتیں ہمارے علماء نے ذکر کئے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنی خاص حکمت کی بنا پر حضرت نانوتویؒ کے ذریعہ قائم کردہ اس عظیم یونیورسٹی کو حنفیت کا سب سے عظیم قلعہ بنایا۔ اس سلسلے میں ایک خواب ہمارے علماء بکثرت اپنی کتابوں میں بیان فرماتے ہیں۔ ارواحِ ثلاثہ ص ۲۲۱ کی روایت ہے کہ: خاں صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتویؒ نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں خانۂ کعبہ کی چھت پر کسی اونچی شیء پر بیٹھا ہوں اور کوفہ کی طرف میرا منہ ہے اور ادھر سے ایک نہر آتی ہے جو میرے پاؤں سے ٹکرا کر جاتی ہے۔ اس خواب کو انھوں نے مولوی محمد یعقوب صاحبؒ برادر شاہ محمد اسحاق صاحبؒ سے اس عنوان سے بیان فرمایا کہ حضرت ایک شخص نے اس قسم کا خواب دیکھا ہے تو انھوں نے یہ تعبیر دی

کہ اس شخص سے مذہبِ حنفی کو بہت تقویت ہوگی اور وہ پکا حنفی ہوگا اور اس کی خوب شہرت ہوگی؛ لیکن شہرت کے بعد اس کا جلدی انتقال ہو جائے گا۔ اور میں نے یہ خواب اور اس کی تعبیر خود مولانا نانوتویؒ سے سنی ہے۔ مولانا کا قاعدہ تھا کہ جب عام لوگوں میں اس خواب کو بیان فرماتے، تو فرماتے ایک شخص نے ایسا خواب دیکھا تھا؛ لیکن خاص لوگوں سے فرمادیتے تھے کہ یہ خواب میرا ہے۔ جب مولانا نے مجھ سے یہ خواب بیان فرمایا، اس وقت میں اکیلا تھا اور پاؤں دبا رہا تھا اور مولاناؒ نے بے تکلف مجھ سے اپنا نام لیا تھا۔''

اگرچہ خواب شریعت میں حجت نہیں ہے؛ لیکن استیناس کے لیے خواب کا ذکر کرنا متقدمین ومتاخرین کے یہاں مستحسن مانا گیا ہے؛ اور اگر کوئی خواب کسی عظیم عالم یا امام کا ہو اور اس خواب کی تعبیر بھی کسی عظیم ہستی کی جانب سے بیان کی جائے، تو پھر خواب کافی بامعنی اور اہم ہو جاتا ہے۔ صحیحین کی مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ﴾ یعنی نیک خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا وہ خواب تواریخ وطبقات کی کتابوں میں موجود ہے جس کی تعبیر ابن سیرینؒ نے بیان فرمائی تھی۔ جافظ ذہبیؒ "مناقب أبي حنيفة وصاحبيه" ص۳۶ میں فرماتے ہیں: "عَنْ أَبِي يُوسُفَ، قَالَ: رَأَى أَبُو حَنِيفَةَ كَأَنَّهُ يَنْبِشُ قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ يَأْخُذُ عِظَامَهُ يَجْمَعُهَا، وَيُؤَلِّفُهَا، فَهَالَهُ ذَلِكَ، فَأَوْصَى صَدِيقًا لَهُ إِذَا قَدِمَ الْبَصْرَةَ أَنْ يَسْأَلَ ابْنَ سِيرِينَ، فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: هَذَا رَجُلٌ يَجْمَعُ سُنَّةَ النَّبِيِّ

وَنُخْبِيهَا. ''

(یعنی ابو یوسفؒ بیان فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ نے خواب دیکھا کہ وہ نبی ﷺ کی قبر کھود رہے ہیں، اور جسم اطہر کی ہڈیاں جمع کر رہے ہیں اور انھیں جوڑ رہے ہیں۔ اس خواب سے آپ بڑے خائف ہوئے، اور اپنے ایک دوست سے یہ کہا کہ جب وہ بصرہ جائیں تو ابن سیرینؒ سے اس خواب کی تعبیر دریافت فرمالیں۔ چنانچہ انھوں نے جب ابن سیرینؒ سے سوال کیا، تو ابن سیرینؒ نے جواب دیا: یہ شخص رسول اللہ ﷺ کی سنت کو جمع کرے گا اور اس کا احیاء کرے گا۔)

امام ذہبیؒ اسی کتاب میں علی ابن عاصمؒ کی روایت سے نقل کرتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ نے فرمایا: ''رَأَيْتُ كَأَنِّي نَبَشْتُ قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَزِعْتُ وَخِفْتُ أَنْ يَكُونَ رِدَّةً عَنِ الإِسْلَامِ ، فَجَهَّزْتُ رَجُلًا إِلَى الْبَصْرَةِ، فَقَصَّ عَلَى ابْنِ سِيرِينَ الرُّؤْيَا، فَقَالَ: إِنْ صَدَقَتْ رُؤْيَا هَذَا الرَّجُلِ فَإِنَّهُ يَرِثُ عِلْمَ نَبِيٍّ''

(میں نے خواب دیکھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی قبر کھود رہا ہوں، جس کی وجہ سے میں سہم گیا، اور مجھے اس بات کا اندیشہ ہونے لگا کہ یہ کہیں میرے مرتد ہونے کی جانب اشارہ تو نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے ایک شخص کو بصرہ بھیجا، اور اس نے ابن سیرینؒ کے سامنے سارا واقعہ سنایا۔ ابن سیرینؒ نے تعبیر دیتے ہوئے فرمایا: اگر اس شخص کا خواب سچا ہے، تو یہ علومِ نبوت کا وارث ہوگا۔)

خلاصہ یہ ہے کہ پچھلی دو صدی سے دیوبندی مکتبِ فکر کو عالمی طور پر مذہبِ حنفی

کا سب سے بڑا ترجمان اور عظیم قلعہ کی حیثیت حاصل ہے۔ آج پوری دنیا میں علماءِ دیوبند کی علمی، فکری اور فقہی خدمات سے اہل ایمان سیراب ہورہے ہیں اور اپنی دینی ضرورتیں پوری کررہے ہیں۔

محمد انوار خان، دیوبند
۱۸ دسمبر ۲۰۱۶

مقدمہ

از محدثِ جلیل علامہ عبد الفتاح ابو غدہ حلبی نور اللہ مرقدہ

فقہِ اسلامی کی تاریخ گوناں گوں پہلوؤں اور مختلف گوشوں پر مشتمل ہے؛ لیکن اس موضوع پر آج تک جامعیت کے ساتھ نہیں لکھا جا سکا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حالیہ چند سالوں میں فقہِ اسلامی کی تاریخ پر کبھی تاریخ التشریع کے عنوان کے تحت، اور کبھی تاریخ الفقہ کے موضوع پر اور بعض دفعہ علماءِ فقہ، اور ائمۂ مجتہدین اور ان کے مذاہب کے تعارف پر کافی اچھی کاوشیں لوگوں کے سامنے پیش کی گئی ہیں؛ لیکن ان تمام عظیم کوششوں کے باوجود بھی اس موضوع کا حق آج تک نہیں ادا ہو سکا ہے، اور نہ ہی ہم اس کے قریب پہونچ سکے ہیں۔ اس قدر وسیع وعریض فقہ کی تاریخ کا کامل احاطہ آسانی سے ممکن بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ فقہ عہدِ نبوی سے لے کر ایک لامحدود زمانے تک مختلف ممالک میں صدیوں تک نظریاتی اور اصولی اختلافات کے ساتھ پھیلی ہوئی ہے، اور نہ معلوم یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا۔ اس کا احاطہ صرف اس وقت ہو سکتا ہے جب مرحلہ وار ہر دور، اور ہر ملک اور ہر علاقے کی فقہ پر تحقیقی کتابیں لکھی جائیں۔ اس کے بعد شاید ایک وقت ایسا آئے گا کہ فقہِ اسلامی کی عظیم تاریخ اور اس فن کے عظیم سپوتوں اور پاکباز ہستیوں کے

سنہرے ادوار اور تفصیلی خاکے لوگوں کے سامنے آسکیں۔

مصنفین نے جس موضوع کو سب سے زیادہ نظر انداز کیا ہے وہ ہے سرزمین عراق میں فقہ وحدیث کی تاریخ؛ حالانکہ عراق کی سرزمین ایسے وسیع وعریض رقبے پر مشتمل تھی کہ اس کا صرف ایک شہر بغداد اپنے آپ میں ایک دنیا مانا جاتا تھا۔ شاید مصنفین اس موضوع پر خامہ فرسائی کرنے سے اس لیے کتراتے رہے کیوں کہ اکثر لوگ فقہِ اسلامی اور اس کے متنوع ومتشعب پہلوؤں سے اچھی طرح سے باخبر نہیں تھے کیوں کہ اس فن پر قلم اٹھانے والے عالم کے لیے ضروری ہے کہ وہ علومِ قرآن، علومِ حدیث، فقہ، اصول، اختلافِ فقہاء، علمِ کلام، ملل ونحل اور اس کے علاوہ دیگر علوم وفنون میں کامل دسترس رکھتا ہو تاکہ وہ تاریخی حقائق کی صحیح طریقے سے چھان پھٹک کر سکے۔

بہت ہی کم ایسے علماء اور ناقدین گذرے ہیں جن کے اندر مذکورہ صفات بیک وقت موجود رہی ہوں اور جو عرصۂ دراز سے نظر انداز کردہ اس حق کو ادا کرنے پر بدرجۂ اتم قادر رہے ہوں، اور ابتداءِ اسلام سے لے کر بعد کی صدیوں تک پیدا ہونے والے صحابہ، تابعین، اور تبع تابعین، فقہاءِ امت، اور محدثین سے مالامال اس سرزمین کی تاریخ پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

شاید یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ ان تمام علمی پہلوؤں سے تنہا عراق کی تاریخ اہمیت اور عظمت کے اعتبار سے مجموعی طور پر تمام اسلامی ممالک کی تاریخ کے قریب ہے یا اس کے برابر ہے یہ اور بات ہے کہ ہر ایک شہر کو معالمِ دین، شعائرِ اسلام، اور روحانی برکات کی وجہ سے ایک منفرد مقام حاصل ہے۔

میرا خیال ہے کہ میرے شیخ، جامع العلوم، ماہر فن، محدث وفقیہ، اصولی ومتکلم، مناظر ومورخ، دقیقہ رس نقاد، امام محمد زاہد الکوثریؒ کے علاوہ کوئی اور عالم اس عظیم سرزمین کی علمی تاریخ کا حق نہ ادا کر سکا۔ اللہ تعالی حضرت امام کو اپنی رحمت کے آغوش میں رکھے اور علم اور اہل علم کی جانب سے اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

امام کوثریؒ نے اپنی خداداد عظیم ونادر صلاحیتوں اور بے مثال عبقریت ونبوغ کی بدولت چند صفحات میں سرزمینِ عراق کی فقہ وحدیث کے نمایاں ترین گوشوں کو یکجا جمع فرمادیا ہے۔ ہندوستان کے موقر ادارے مجلسِ علمی نے ۱۳۵۷ھ میں جب حافظ زیلعیؒ کی کتاب "نصب الراية في تخريج احاديث الهداية" کی طباعت کا عزم کیا، تو اس وقت مجلس نے امام کوثریؒ سے اس موضوع پر لکھنے کی درخواست کی اور حضرت امامؒ نے اس درخواست کو قبول فرمالیا۔(۲)

(۲) علامہ عبد الفتاح ابو غدہؒ فرماتے ہیں کہ "نصب الراية" کی طباعت مجلسِ علمی کے بے شمار کارناموں میں سے ایک عظیم کارنامہ ہے جس کے ذریعہ اس مجلس نے علم، فقہ اور حدیث کے طالبین پر احسانِ عظیم کیا ہے، اور ان حضرات کو ان شاء اللہ اس کا اجر ہمیشہ ملتا رہے گا، اور ہمیشہ لوگ اس کے بارے میں رطب اللسان رہیں گے۔ آج کل مجلسِ علمی اپنی تمام سابقہ علمی کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ انجام دینے جارہی اور وہ ہے محدثِ کبیر، محققِ جلیل، فن حدیث کی مسلم شخصیت، علامہ حبیب الرحمن اعظمیؒ کی تحقیق کے ساتھ امام عبد الرزاق صنعانی یمنیؒ کی کتاب "المصنف" کی اشاعت۔ یہ کتاب تقریبا دس جلدوں میں طبع ہوگی۔ اللہ رب العزت جنوبی افریقہ کے علم پرور خاندان آلِ میاں

چنانچہ امام کوثریؒ نے اس کتاب کے لیے یہ نہایت جامع، اور طویل مقدمہ تحریر فرمایا جس میں آپ نے عراق کی علمی حیثیت، فقہ وحدیث، اور قیاس واجتہاد کے میدان میں عراق کے مقام اور اس جیسے دیگر اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور خاص طور پر آپ نے فقہاءِ احناف، ائمۂ احناف اور عظیم حنفی محدثین کے مقام کو اجاگر کیا ہے جن کے ساتھ بہت سے علماء نے حدیث اور علمِ حدیث کے باب میں حق تلفی اور زیادتی کی ہے، اور ان حضرات کے خلاف ایسے دعوے کئے ہیں جن کا صحت سے دور کا کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ امام کوثریؒ نے اپنی اس تحریر میں تاریخی شواہد کی روشنی میں حقائق کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریر ایجاز واختصار کے باوجود تمام مذاہب وممالک سے تعلق رکھنے والے اہلِ علم حضرات کے لیے ایک بیش بہا خزانہ ہے۔

میں نے یہ دیکھا کہ ایک لمبے عرصے کے لیے "نصب الراية" کے مطبوعہ نسخے بازار سے ناپید ہوگئے، اور میں نے یہ محسوس کیا کہ اس کتاب کے حصول کے لیے اہلِ علم کا اشتیاق فزوں ہوتا جارہا ہے، تو پھر میں نے اہلِ علم کے اصرار پر اس مقدمہ کو ذرا سی تبدیلی کے ساتھ امام کوثریؒ ہی کے عنوان

کو خیر وبرکت سے مالامال فرمائے، اور ان حضرات نے عالمِ اسلام میں علماء اور طلبہ کے لیے جو عظیم علمی خدمات انجام دیں اس کی جزا عطا فرمائے، اور ان کارناموں کو ان حضرات کے لیے بابرکت حسنات اور باقیاتِ صالحات میں تبدیل کر دے، اور اپنی رضا اور توفیق سے بہرہ مند کرے۔ إنه سميع مجيب۔

کے تحت ایک مستقل کتاب میں نشر کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ یہ کتاب میں بعض مقامات پر مختصر حواشی کے ساتھ قارئین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ میں نے امام کوثریؒ ہی کے ذاتی نسخے کو اس تحقیق میں اصل بنایا ہے۔

احقر نے امام کوثریؒ سے آپ کی حیات ہی میں "نصب الراية" کا نسخہ بطورِ عاریت حاصل کرلیا تھا، اور اس کے بعد میں نے اس نسخہ پر امام کوثریؒ ہی کے ذریعہ رقم کردہ اضافات اور تصحیحات کو نقل کردیا۔ اس کے بعد خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ امام کوثریؒ کا یہ نسخہ میں نے خرید لیا، اور یہ کتاب میں امام کوثریؒ ہی کے نسخہ کو اصل بنا کر شائع کر رہا ہوں۔ اسی لیے قارئین اس ایڈیشن میں "نصب الراية" کے مطبوعہ ایڈیشن کے بالمقابل زیادہ تصحیحات، اور اضافات ملاحظہ کرسکتے ہیں، اور اکثر مقامات پر میں نے اس کی نشاندہی بھی کردی ہے، جب کہ بعض دیگر مقامات پر میں نے بغیر کسی اشارہ کے اضافات کردیئے ہیں۔

قارئین کو اس مستقل ایڈیشن میں کچھ ایسے امتیازات اور خصائص نظر آئیں گے جو اس سے پہلے والے ایڈیشن میں موجود نہیں تھے، یہ اور بات ہے کہ وہ ایڈیشن بھی اپنی جگہ پر عمدہ ہی تھا۔ میں نے اس ایڈیشن کے فقروں اور جملوں کی اچھی طرح سے ترتیب اور پیراگرفنگ کردی ہے، اور اسی طرح سے بعض الفاظ کو با اعراب لکھنے کا اہتمام کیا ہے، اور میرے شیخ امام کوثریؒ نے جو کچھ اضافات، الحاقات یا تصحیحات اپنے نسخے میں رقم کئے تھے ان سب کو احقر نے اس

ایڈیشن میں ضم کرلیا ہے، اور اسی طرح سے احقر نے حسبِ استطاعت بعض مقامات پر استدراک بھی کیا ہے اور کسی خاص مسئلے کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے بعض مقامات پر تعلیقات وحواشی کا اہتمام بھی کیا ہے۔ کلمات کے ضبط واعراب اور اسی طرح سے تعلیقات میں احقر نے اہلِ علم کے اس طبقے کا خیال رکھا ہے جو متخصص نہیں ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض دفعہ میں نے ایسے لفظ پر بھی اعراب لگادیا ہے یا تعلیق کردی ہے جو بالکل بدیہی ہے۔ لہٰذا ماہرین اور اہلِ اختصاص اگر اسے غیر ضروری سمجھیں تو میں ان سے معذرت خواہ ہوں۔

احقر کے استاذ علامہ شیخ بنوریؒ نے اس مقدمہ میں امام کوثریؒ کی بعض عبارتوں پر کچھ تعلیقات رقم کی تھیں جنھیں اس حقیر نے آپ ہی کی جانب منسوب کرکے اس کتاب میں باقی رکھا ہے تاکہ ان حواشی کی خوشبو باقی رہے اور ان کا نفع دوچند ہو جائے۔

یہ چیز میرے لیے عظیم سعادت کا باعث ہوتی کہ میں اپنے شیخ واستاذ امام کوثریؒ کا مختصر تعارف اس کتاب کے ساتھ شائع کرتا۔ لیکن میں نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ کتاب کا حجم زیادہ نہ ہو، اور کتاب کے شائقین کو اسے خریدتے وقت زیادہ قیمت نہ ادا کرنی پڑے۔ لہٰذا میں امام کوثریؒ کی جامع سیرت کا مطالعہ کرنے کے لیے قارئین کو اس کتاب کی جانب رجوع کرنے کی درخواست کروں گا جسے "الإمام الكوثري" کے عنوان سے تقریباً سو صفحات میں علامہ احمد خیریؒ نے تصنیف فرمایا ہے، اور بعد میں علامہ خیریؒ کا یہ رسالہ "مقالات الكوثري" کے ساتھ بھی شائع کیا گیا۔

اسی طرح سے قارئین امام کوثریؒ کی سیرت جاننے کے لیے "تأنِيب الخَطِيب" کے شروع میں استاذ عزت عطارؒ نے جو لکھا ہے اسے ملاحظہ کرسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ استاذ احمد سراویؒ نے "طبقات ابن سعد" کے پہلے ایڈیشن میں امام کوثریؒ سے متعلق جو کچھ لکھا ہے اسے بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ "طبقات ابن سعد" کا یہ نامکمل ایڈیشن قاہرہ سے شائع ہوا تھا۔ نیز علامہ بنوریؒ اور علامہ ابوزہرہؒ نے بھی امام کوثریؒ سے متعلق اپنے تاثرات قلم بند کئے ہیں، اور یہ دونوں ہی مضامین "مقالات الكوثري" کے آغاز میں چھپ بھی چکے ہیں۔

خدا کی بارگاہ میں یہ حقیر دعا گو ہے کہ وہ امام کوثریؒ کی حسنات کو قبول فرمائے، اور اپنے رحم و کرم سے ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمائے، اور ہم سب کے ساتھ لطف و فضل کا معاملہ فرمائے، اور اس کتاب کو اہلِ علم اور طلبہ کے لیے نافع بنائے۔ خدا ہی اپنی رضا کے مطابق چلانے والا اور توفیق سے ہمکنار کرنے والا ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

عبد الفتاح ابو غدہ

بیروت، ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۹۰ھ

فقہ وحدیث

میں علماءِ احناف کا مقام

تالیف
شیخ الاسلام، محقق جلیل، امام محمد زاہد الکوثریؒ

مترجم ومحشی
محمد انوار خان قاسمی بستوی

تمہید

الحمد لله الذي أعلى منازل الفقهاء، إعلاء يوازن ما لهم من الهمم القعساء، في خدمة الحنيفية السمحة البيضاء، والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم الأنبياء، وسند الأتقياء، ومخرج الأمة من الظلمات إلى النور والضياء، وعلى آله وصحبه، السادة النجباء، والقادة الأصفياء، شموس الهداية، وبدور الاهتداء، الناضري الوجوه، بتبليغ ما بلغوه من أدلة الشريعة الغراء.

امامِ کبیر، فقیہِ ناقد، حافظ عبد اللہ بن یوسف زیلعی ــــ اعلی اللہ سبحانہ منزلتہ فی الجنۃ ــــ کی عظیم تصنیف "نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية" کی جامعیت وکاملیت کے اعتبار سے احادیثِ احکام کے موضوع پر کوئی نظیر نہیں ملتی کیوں کہ اس کتاب کے مؤلف حافظ زیلعیؒ نے بحث وتفتیش، اور تنقیح وتحقیق کر اوڑھنا اور بچھونا بنالیا تھا، اور تلاش وجستجو کی راہ میں سستی کبھی بھی آپ کے لیے مانع نہ بن سکی۔ موصوف کی وسعتِ علمی اور ذاتی عظمت اپنے معاصرین تک سے علم حاصل کرنے میں حاجز نہ بن سکی۔ رات ودن اپنے مقصود کے حصول کے لیے علمی تحقیق وریسرچ میں انہماک کے ساتھ لگے رہنا گویا آپ کی زندگی کا مشن تھا۔

اس عظیم اخلاص اور بے پناہ تحقیق کی وجہ سے حفاظِ حدیث کے دلوں میں اس

کتاب کا جو مقام ہے شاید وہ کسی بھی تخریج کی کتاب کو حاصل نہیں۔

حق تو یہ ہے کہ امام زیلعیؒ نے اس تخریج میں ایسی تحقیقات پیش کر دی ہیں کہ اس کے بعد کسی بھی محقق کے لیے مزید بحث و تفتیش کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے۔ مختلف ابواب و مسائل میں جامعیت کے ساتھ آپ نے ان تمام احادیث کا احاطہ کرلیا ہے جس سے کسی بھی مذہب کے فقیہ نے اپنے مسلک کی تائید کے لیے استدلال کیا ہو۔ مصنف کے ہم طبقہ محدثین اور بعد کے علماء میں شاذ و نادر ہی ایسے محدثین گذرے ہیں جو ان مصادر و مراجع سے استفادہ کی صلاحیت رکھتے ہوں جنھیں امام زیلعیؒ نے اس کتاب کی تخریج کے دوران استعمال کیا ہے، کیوں کہ بہت سی احادیث ایسے مصادر میں مذکور ہوتی ہیں جہاں تک رسائی صرف ایسے لوگ حاصل کرسکتے ہیں جو امام زیلعیؒ ہی کی طرح جفاکشی اور تندہی کے ساتھ تحقیق کے رسیا اور خوگر ہوں۔

بہت کم ایسے علماء ہوئے ہیں جو زیلعیؒ کی طرح انصاف کرسکیں۔ موصوف مخالفین کے دلائل و حجج نہایت انصاف کے ساتھ مالہ وماعلیہ کے ساتھ کسی بھی جماعت کی احادیث کو نظر انداز کئے بغیر ذکر فرماتے ہیں۔ اس کے برخلاف دیگر بہت سے علماء (۴) جنھوں نے مختلف مذاہب سے متعلق احادیثِ احکام کے

(۴) امام کوثریؒ شافعی محدثین مثلاً بدر الدین زرکشیؒ، ابن الملقنؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں۔ ان حضرات کے علاوہ بھی بہت سے علماء و محدثین نے تخریج احادیث میں تعصب کا ثبوت دیا ہے اور خصم کے ساتھ ہر طرح کی زیادتی کی ہے۔ تعصب کی ایک بہت بڑی مثال سید الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ہیں۔ دلائل حنفیہ کے

موضوع پر کتابیں لکھی ہیں وہ عام طور پر بحث و تحقیق میں کوتاہی کے شکار ہو جاتے ہیں، یا بعض دفعہ ہوی پرستی کی زد میں آجاتے ہیں جب کہ بحث و تحقیق میں خیانت کرنے والا عالم دلائل کی رو سے قوی مسئلہ کو بھی ایسی شکل میں پیش کرتا ہے جیسے اس کی کوئی دلیل ہی نہ ہو۔ ہوی پرستی تعصب کا نام ہے جو کسی بھی حال میں اہلِ دین کے شایانِ شایان نہیں۔

دلائل کی چھان پھٹک کرتے وقت ایک عالم کی بصیرت کو نقصان پہونچانے والا سب سے زیادہ خطرناک محرک مذہبی تعصب ہے کیوں کہ اس مرض کا شکار عالم ضعیف مسئلے کو قوی بنا کر پیش کر دیتا ہے، اور قوی کو ضعیف بنا کر، اور مضبوط دلیل کو بالکل لچر اور نہایت لچر دلیل کو ملمع کاری کر کے بہت ہی طاقتور بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ جو لوگ دینی امور میں خوفِ خدا رکھتے ہیں اور اس ہولناک دن سے ڈرتے ہیں جب ہر انسان کو اس کے کئے کا حساب دینا ہوگا تو وہ کبھی بھی ایسی حرکت کا ارتکاب نہیں کر سکتے۔

اسی لیے اگر کسی طالبِ فقہ کو کوئی ایسا متبحر عالم اور حافظِ حدیث دستیاب ہو جائے جو ہوی پرستی سے بالکل مغلوب نہ ہوتا ہو، تو پھر اس کا دامن مضبوطی

ساتھ حافظ نے کتنی زیادتی کی ہے اور کس قدر احادیثِ حنفیہ پر ظالمانہ حملے کئے ہیں کہ اس پر تفصیلی گفتگو کرنے کے لیے ایک دفتر چاہئے۔ امام بدر الدین عینیؒ، امام محمد انور شاہ کشمیریؒ، امام المحققین علامہ محمد زاہد الکوثریؒ، علامہ یوسف بنوریؒ، علامہ بدر عالم میرٹھیؒ، اور علامہ احمد رضا بجنوریؒ وغیرہ دیگر حنفی علماء نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ حافظ ابن حجرؒ خاص طور پر احناف کے تئیں نہایت متعصبانہ رویہ رکھتے تھے اور ان کے دلائل کو چھپانے کی سعی بالغ کرتے تھے یا ان دلائل پر بے بنیاد جرح کرتے تھے۔

سے تھام لینا چاہئے کیوں کہ ایسے علماء نادر و نایاب ہوتے ہیں۔

حافظ زیلعیؒ حقیقی معنوں میں مذکورہ تمام اوصاف کے جامع نظر آتے ہیں۔ اسی لیے تخریج حدیث کے موضوع پر قلم اٹھانے والے بعد کے سارے محدثین آپ کی کتاب کے محتاج نظر آتے ہیں۔ حافظ بدرالدین زرکشیؒ، حافظ ابن الملقنؒ، اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ جیسے حفاظِ حدیث جو اس فن میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے ہیں، اور آسمان کی بلندیوں سے سرگوشیاں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اگر آپ ان کی کتابوں کا مقابلہ حافظ زیلعیؒ کی کتاب سے کریں گے، تو آپ کو بالکل یقین ہو جائے گا کہ ہم نے زیلعیؒ کی تعریف میں جو کچھ لکھا ہے بالکل درست ہے۔ یہی نہیں؛ بلکہ آپ کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ ان تمام کتابوں کی اصل بنیاد اور اہم ماخذ زیلعیؒ کی کتابیں (۴) ہی ہیں سوائے مذہبی

---

(۴) حافظ زیلعیؒ کی تخریج احادیث کے موضوع پر دو اہم کتابیں ہیں۔ پہلی کتاب "نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية" ہے جو محتاجِ تعارف نہیں ہے، اور امام کوثریؒ کی یہ کتاب در اصل زیلعیؒ کی اسی تخریج پر ایک مقدمہ ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "نصب الراية" کی تلخیص کی ہے جو "الدراية في تخريج أحاديث الهداية" کے نام سے معروف ہے اور مطبوع بھی ہے۔ علامہ یوسف بنوریؒ نے "نصب الراية" کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ان کے شیخ امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے تھے کہ حافظ ابن حجرؒ اس کتاب کی کامیاب تلخیص نہ کر سکے کیوں کہ تلخیص کرتے وقت موصوف نے بعض نہایت اہم علمی فوائد اور اقوال کو نظر انداز کر دیا ہے جس کی وجہ سے بعض دفعہ بحث تشنۂ تحریر رہ جاتی ہے۔ تخریج احادیث کے موضوع پر حافظ زیلعیؒ کی دوسری کتاب "الإسعاف بتخريج أحاديث الكشاف" ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے زیلعیؒ کی اس کتاب کی بھی تلخیص کی ہے اور اس کا نام "الكافي

تعصب کے جو ان مصنفین کی کتابوں میں موجود ہے۔

حافظ زیلعیؒ کی اس کتاب میں ایک حنفی ان تمام احادیثِ احکام کا خلاصہ دیکھ سکتا ہے جس سے ائمۂ احناف نے استدلال کیا ہے، اور ایک مالکی کو اس کتاب میں ان تمام احادیث کالب "لباب مل جائے گا جس کی تخریج ابن عبد البرؒ نے "التمهيد" اور "الاستذكار" میں اور امام عبد الحق اشبیلیؒ نے احادیثِ احکام (۵) کے موضوع پر لکھی گئی اپنی تصانیف میں تفصیل سے بیان کی ہے، اور

الشاف في تخريج أحاديث الكشاف" ہے، اور یہ کتاب بھی مطبوع ہے۔ علامہ لکھنویؒ "الفوائد البهية في تراجم الحنفية" کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ نواب صدیق حسن خانؒ نے "الإكسير في أصول التفسير" میں اصل کتاب یعنی "الإسعاف" کو حافظ ابن حجرؒ کی تصنیف قرار دیا ہے جب کہ اس کی تلخیص "الكافي الشاف" کو حافظ زیلعیؒ کی جانب منسوب کر دیا ہے، اور یہ موصوف کی بہت بڑی غلطی ہے۔ علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے جب کہ ابن حجرؒ کی پیدائش زیلعی کی وفات کے گیارہ سال بعد ہوئی۔ لہٰذا زیلعیؒ ابن حجرؒ کی کتاب کی تلخیص کیسے کر سکتے ہیں جب کہ ابن حجرؒ اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ نواب صدیق حسن خانؒ کی کتابوں میں ایسی بہت سی فاش قسم کی غلطیاں اور اوہام پائی جاتی ہیں۔

(۵) احادیثِ احکام کے موضوع پر فقہاء ومحدثین نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں سے ایک بڑی تعداد اس وقت مطبوع بھی ہے۔ حافظِ جلیل، امامِ کبیر، علامہ عبد الحق اشبیلی مالکیؒ کی کتابوں کو ان تمام تصانیف کے درمیان کافی امتیاز حاصل ہے، اور مصنف کے دور سے ہی ان کی یہ کتابیں عالمِ اسلام میں کافی معروف ومتداول رہی ہیں۔ حافظ عبد الحقؒ نے احکام کے موضوع پر تین کتابیں تصنیف فرمائی ہیں: پہلی کتاب "الأحكام الكبرى" ہے، جب کہ دوسری کتاب کا نام "الأحكام الوسطى"، اور تیسری کا نام "الأحكام الصغرى" ہے اور یہ تینوں ہی کتابیں مطبوع ہیں۔ دیگر علماء کی احکام کے

اسی طرح سے ایک شافعی کو اس کتاب میں ان تمام احادیث کا نچوڑ مل جائے گا جس کی تخریج امام بیہقیؒ نے "السنن الكبرى" اور "معرفة السنن والآثار" وغیرہ میں کی ہے اور جس کی تحقیق امام نوویؒ نے "خلاصة الأحكام في مهمات السنن وقواعد الإسلام"، "المجموع" اور "شرح مسلم" وغیرہ میں پیش فرمائی ہے، اور ان تمام احادیث کا جائزہ سامنے آجائے گا جسے امام ابن دقیق العیدؒ نے "الإلمام بأحاديث الأحكام"، "الإمام في معرفة أحاديث الأحكام"، اور "إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام" میں بیان فرمایا ہے۔(٦) اسی طرح سے

موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں صرف فقہی مسائل سے بحث کی گئی ہے؛ لیکن حافظ عبدالحق اشبیلیؒ نے احکام کی اپنی تینوں کتابوں میں صرف احکامِ فقہیہ ہی پر اکتفاء نہیں کیا ہے؛ بلکہ ایمان، علم، طب، ادب، زہد ورقائق، اذکار وفتن، اشراط الساعہ اور تفسیر وغیرہ ابواب کو بھی شاملِ کتاب کیا ہے جس کی وجہ سے ان کتابوں کو دیگر کتبِ احکام پر تفوق حاصل ہے۔

(٦) "الإلمام بأحاديث الأحكام" کو احکامِ فقہیہ، اور حلال وحرام کے موضوع پر بے نظیر تصنیف شمار کیا جاتا ہے۔ مصنفِ کتاب حافظ ابن دقیق العیدؒ نے اس کتاب میں اختصار کو مد نظر رکھا ہے جب کہ موصوف نے اپنی دوسری کتاب "الإمام في معرفة أحاديث الأحكام" میں احادیثِ احکام پر نہایت تفصیلی کلام کیا ہے۔ در اصل "الإلمام" موصوف کی کتاب "الإمام" کی تلخیص ہے۔ "الإمام في معرفة أحاديث الأحكام" اس موضوع پر اہم ترین کتاب شمار کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ حافظ ابن تیمیہؒ جیسی شخصیت نے اس کتاب کی تعریف میں یہ تک کہہ دیا ہے کہ: هو كتاب الإسلام، ما عمل أحد مثله، ولا الحافظ الضياء، ولا جدي أبو البركات. (یہ اسلام کی اہم کتاب ہے، اور آج تک کسی نے ایسی کتاب

ایک حنبلی مقلد کو اس کتاب میں ابن الجوزیؒ کی "التحقيق في مسائل الخلاف" اور اسی طرح سے ابن عبد الہادیؒ کی کتاب "تنقيح التحقيق في أحاديث التعليق"(۷) میں اور دیگر احادیثِ احکام کے موضوع پر

تصنیف نہیں کی ہے، نہ تو حافظ ضیاء الدینؒ نے اور نہ ہی میرے دادا ابو البرکاتؒ نے)۔
ملاحظہ فرمائیں: "العدة حاشية العلامة الصنعاني على إحكام الأحكام" کا مقدمہ ج ۱ص ۲۷۔ حافظ ابن دقیق العیدؒ کی احکام کے موضوع پر تیسری کتاب "إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام" ہے۔ یہ کتاب در اصل حافظ عبد الغنی مقدسیؒ کی کتاب "عمدة الأحكام من كلام خير الأنام" کی شرح ہے۔ حافظ ابن دقیق العیدؒ نے اپنی اس شرح میں "عمدة الأحكام" کی احادیث کی شرح کی ہے اور اس سے احکامِ فقہیہ کا استخراج کیا ہے نیز مذاہبِ فقہاء بھی بیان کیا ہے۔ "الإلمام بأحاديث الأحكام" حافظ شمس الدین بن عبد الہادی حنبلیؒ کے حاشیہ کے ساتھ محمد خلوف العبد اللہ کی تحقیق کے ساتھ دار النوادر، دمشق سے ۱۴۳۳ھ میں ایک جلد میں شائع ہوئی۔ "الإمام في معرفة أحاديث الأحكام" چار جلدوں میں سعد بن عبد اللہ آلِ حمید کی تحقیق کے ساتھ دار المحقق سے طبع ہو چکی ہے جب کہ "إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام" دو جلدوں میں محمد حامد فقی کی تحقیق اور شیخ احمد محمد شاکرؒ کی نظرِ ثانی کے ساتھ ۱۳۷۲ھ میں شائع ہوئی۔

(۷) امام ابن عبد الہادیؒ کی کتاب "تنقيح التحقيق في أحاديث التعليق" حافظ ابن الجوزیؒ کی کتاب "التحقيق في مسائل الخلاف" کی تلخیص اور اس کا تعاقب ہے۔ اس کتاب کو "التحقيق في مسائل التعليق" کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ حافظ ابن الجوزیؒ کی کتاب "التحقيق" قاضی ابو یعلی فراء حنبلیؒ متوفی ۴۵۸ھ کی کتاب "التعليق الكبير في المسائل الخلافية بين الأئمة" میں مذکور احادیث کی تفصیلی تخریج ہے۔ ابو یعلیؒ کی کتاب "التعليق الكبير" گیارہ جلدوں میں ہے جس میں ابو یعلیؒ نے امام احمدؒ اور آپ کے تلامذہ کے اقوال کو با تفصیل ذکر کیا ہے۔

لکھی گئی کتابوں میں مذکور احادیث سے متعلق اہم نقد و تبصرے ملیں گے۔

یہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ ایک طالب علم کو صحاح و سنن، اور مسانید و معاجم کے علاوہ مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق وغیرہ کتابوں سے مختلف ابوابِ فقہ میں دلائلِ احکام سے متعلق بہت سی ایسی احادیث ملیں گی جو آج کل بہت سے قارئین کی دسترس میں نہیں ہیں۔ ساتھ ساتھ زیلعیؒ نے ہر حدیث پر کافی وشافی کلام کیا ہے اور ائمۂ جرح وتعدیل کے اقوال ذکر کئے ہیں، اور عللِ حدیث کی معروف کتابوں سے عبارتیں نقل کی ہیں۔ یہ سب ایسے امتیازات ہیں جن کی وجہ سے زیلعیؒ کی اس کتاب کو تخریجِ احادیث کی تمام کتابوں میں نمایاں ترین مقام حاصل ہے۔

میں زیلعیؒ کی کتاب کی اس قدر تعریف کرکے دیگر اہلِ علم کی ہمت شکنی بالکل

اس کتاب میں موصوف موافقین اور مخالفین کے اقوال ودلائل ذکر کرکے اس کا مناقشہ کرتے ہیں اور قولِ خصم کی تردید فرماتے ہیں اور حنبلی مذہب کی تائید کرتے ہیں۔ امام ابو الفرج ابن الجوزیؒ کی کتاب میں تخریجِ احادیث، جرح وتعدیل اور نقد وتمحیص میں متعدد مقامات پر اخطاء پائی جاتی ہیں۔ انھیں علمی اخطاء اور فنی اغلاط کی تصحیح وتنقیح کے لیے حافظ ابن عبد الہادیؒ نے اپنی عظیم تصنیف بنام "تنقيح التحقيق في أحاديث التعليق" رقم کی جس میں متعدد مقامات پر ابن عبد الہادیؒ نے استدراک وتعاقب، اور حذف واضافہ فرمایا ہے اور یہ کتاب دار اضواء السلف ریاض سے طبع ہو چکی ہے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ امام الجرح والتعدیل حافظ ذہبیؒ نے بھی "تنقيح التحقيق في أحاديث التعليق" ہی کے عنوان سے ابن الجوزیؒ کا تعاقب فرمایا ہے اور یہ کتاب بھی دار الوعی حلب سے عبد المعطی امین قلعجی کی تحقیق سے شائع ہو چکی ہے۔

نہیں کرنا چاہتا۔ اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ کی ذات سچا عزم رکھنے والے انسان پر اپنے پوشیدہ علوم کا خزانہ کھول دیتی ہے، اور اس بات کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعد کے مصنفین کی کتابوں میں بھی علمی فوائد ہیں جس کی وجہ سے ان مؤلفین کا شکر بجالانا ضروری ہے۔ اگر انسان واقعی سعی پیہم کرے اور سچا حوصلہ رکھتا ہو، تو پھر اس طرح کے علمی فوائد آج بھی علوم وفنون کے صاف وشفاف چشموں سے نکالے جا سکتے ہیں۔ ہم نے توزیلعیؒ کے حق میں جو تعریفی کلمات کہے ہیں اس کا واحد مقصد صاحبِ حق کو اس کا حق پہونچانا اور علم کی تعظیم ہے اور ساتھ ساتھ اہل علم کی تشجیع وتحریک ہے تاکہ وہ اس عظیم شخصیت پر استدراک وتعاقب کرنے کی کوشش کرسکیں۔

صرف ایک حنفی حافظِ حدیث نے اتنا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے جس نے تمام مذاہب ومسالک کے یہاں مصنف کے دور میں اور بعد کے ادوار میں بھی یکساں طور پر خراجِ تحسین حاصل کیا ہے۔ جو شخص بھی اس کتاب کی ورق گردانی کرے گا اور تمام ابوابِ فقہ میں مذکور احادیث کا بغور مطالعہ کرے گا، تو اسے اس بات کا ضرور یقین ہو جائے گا کہ احناف تمام مسائلِ فقہ میں احادیث وآثار پر مضبوطی سے عمل پیرا رہتے ہیں۔

اس کے باوجود بھی روئے زمین پر آپ کو ایسے متعصبین ضرور ملیں گے جو جہالت، اور جاہلانہ عصبیت کے شکار ہو کر احناف کے خلاف زبان درازی کرتے رہتے ہیں۔ کبھی تو یہ حضرات احناف پر یہ الزام ڈالتے ہیں کہ یہ لوگ نص کی عدمِ موجودگی میں قیاس پر عمل کرتے ہیں، حالانکہ قیاس کے بغیر فقہ کا

تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ کبھی یہ متعصبین احناف پر قلتِ حدیث کا الزام لگاتے ہیں حالانکہ تمام اسلامی ممالک احناف کی احادیث سے بھرے پڑے ہیں۔ بعض دفعہ یہ متعصبین احناف پر یہ اعتراض کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ یہ حضرات استحسان کرتے ہیں، اور جو شخص بھی استحسان پر عمل کرتا ہے، تو گویا وہ خود اپنی طرف سے شریعت وضع کر رہا ہے۔

حالانکہ استحسان سے متعلق احناف کے دلائل کا جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت اچھی طرح سے واضح ہو جاتی ہے کہ اس الزام میں ذرہ برابر بھی سچائی نہیں ہے۔ قیاس کا قائل فقیہ بھلا استحسان کو کیوں کر رد کر سکتا ہے؟ شریعت تو صرف اللہ کی ہے اور رسول مبلغ محض ہیں۔ ایک فقیہ زیادہ سے زیادہ نصوص فہمی کی ذمہ داری ادا کر سکتا ہے اور بس۔ لہذا جو شخص یہ کہتا ہے کہ فقیہ کو تشریع میں کسی طرح کا حق حاصل ہے، تو پھر ایسا شخص فقہ اور شریعت دونوں ہی سے ناواقف ہے، بلکہ ایسا شخص گمراہ اور صراطِ مستقیم سے منحرف ہے کیوں کہ اس شخص نے خدا کی شریعت کو انسان کے وضع کردہ قانون کے مساوی قرار دے دیا ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا اپنی شریعت اور وحی میں کسی انسان کو مداخلت کی اجازت دے؟

میں نے ان تمام الزامات کی تردید کے لیے قیاس واجتہاد، اور حنفیہ کے یہاں معمول بہ استحسان اور احادیث کی قبولیت کے شرائط، اور قرآن وحدیث، فقہ واصول اور فنونِ عربیہ میں کوفہ کے بلند مقام کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے اس میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ بلادِ مشرق میں سرزمینِ کوفہ فقہِ

اسلامی کا سب سے درخشندہ مرکز رہا ہے اور یہیں سے فقہ اسلامی روئے زمین کے چپے چپے میں پھیلی۔ اسی طرح سے ہم نے اس میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ علماءِ احناف کو دیگر تمام مذاہب پر نمایاں طور پر تفوق وامتیاز حاصل ہے اور حفظِ حدیث میں ان حضرات کا دائرہ نہایت وسیع ہے، جس کی وجہ سے قدیم اسلامی ادوار سے لے کر اس دور تک اس مذہب میں حفاظِ حدیث کثرت سے موجود رہے ہیں۔ براں مزید یہ حضرات اپنی دقیق فہم، اور معانی کی تہ تک پہونچنے میں سب سے آگے رہے ہیں جس کا اعتراف خود مخالفین نے بھی کیا ہے۔ اسی طرح سے کتاب کے آخر میں ہم نے جرح وتعدیل کی کتابوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالنی کوشش کی ہے اور ان پر تبصرے کئے ہیں۔

واللہ سبحانہ حسبي ونعم الوکیل

کوثری

قیاس واجتہاد

قیاس کے بارے میں کچھ ایسے آثار واقوال ملتے ہیں جو اس کی مذمت کرتے ہیں جب کہ دوسری طرف کچھ ایسے اقوال ملتے ہیں جو قیاس کی پذیرائی کرتے ہیں۔ لیکن یاد رہے مذموم قیاس وہ ہے جو اتباعِ ہوی کی بنیاد پر ہو۔ دوسری طرف وہ قیاس ممدوح ہے جس کے ذریعہ فقہاءِ صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کے مسلک اور منہاج کے مطابق کتاب وسنت کی روشنی میں ایک نظیر کو دوسری نظیر پر قیاس کر کے نصوص سے مسائلِ فرعیہ کا استنباط کیا جائے۔ خطیب بغدادیؒ نے "الفقیہ والمتفقہ" میں اور اسی طرح سے ابن عبد البرؒ نے مصادر ومراجع کے ساتھ اس طرح کے اکثر اقوال وآثار کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (۸)

اس سلسلہ میں قولِ فیصل یہ ہے کہ سابق الذکر مفہوم کے اعتبار سے فقہاءِ صحابہ، تابعین اور تبعِ تابعین کا قیاس کی حجیت پر عمل رہا ہے یعنی یہ حضرات نصوص سے نوازل کے احکام کا استنباط کرتے رہے ہیں۔ یہ ایک اجماعی مسئلہ رہا

(۸) حافظ خطیب بغدادیؒ نے "الفقیہ والمتفقہ" میں ج ۱ ص ۲۱۶-۱۷۸ پر قیاس اور رائے سے متعلق تمام مثبت اور منفی روایات کو بالتفصیل نقل کیا ہے۔ اسی طرح سے حافظ ابن عبد البرؒ نے بھی "جامع بیان العلم وفضلہ" میں مختلف مقامات پر اس موضوع پر سیر حاصل کلام کیا ہے۔ مثال کے طور پر ج ۲ ص ۷۸-۵۵ اور ۱۳۴-۱۵۰ ملاحظہ فرمائیں۔

ہے جس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

امام ابو بکر جصاص رازیؒ[۹] اپنی کتاب " الفصول في الأصول" میں فقہاءِ صحابہؓ اور تابعینؒ کے یہاں حجیتِ قیاس کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"اس کے بعد وہ دور آیا جب کچھ ایسے لوگ رونما ہوگئے جو فقہ اور اصولِ فقہ سے بالکل جاہل تھے، اور سلف کے منہج سے بالکل نابلد تھے، اور اپنے جاہلانہ اقدام کی وجہ سے ایسے بھونڈے نظریات کی تقلید کرنے لگے جس سے یہ صحابہؓ اور بعد کے علماء کی مخالفت میں مبتلا ہوگئے۔"

ابراہیم نظّام -فروعی مسائل میں قیاس کا سب سے پہلا منکر

فروعی مسائل میں قیاس واجتہاد کا انکار کرنے والا سب سے پہلا شخص ابراہیم نظّام تھا جس نے صحابہؓ کو اس لیے متہم قرار دیا کیوں کہ یہ حضرات قیاس کے

---

(۹) امام ابو بکر رازی جصاصؒ کا شمار اکابرِ حنفیہ میں ہوتا ہے۔ موصوف جہاں ایک عظیم المرتبت فقیہ مانے جاتے ہیں، وہیں دوسری طرف آپ کا شمار کبارِ حفاظ اور بلند پایہ محدثینا میں ہوتا ہے۔ فقہ، حدیث اور تفسیر کے موضوع پر آپ کی کتابوں کو عالمِ اسلام خصوصاً احناف کے یہاں غیر معمولی وقعت اور استناد کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اصولِ فقہ کے موضوع پر آپ کی کتاب "الفصول في الأصول" کو اس فن کی اہم ترینا کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب عجیل جاسم نشمی کی تحقیق کے ساتھ کویت کے وزارۃ الاوقاف سے نہایت تحقیقی حواشی کے ساتھ طبع ہوچکی ہے۔ امام کوثریؒ نے اس کتاب میں امام جصاصؒ کی مذکورہ کتاب سے کافی استفادہ کیا ہے خصوصاً قیاس واستحسان کے اثبات اور تائید کے لیے امام کوثریؒ نے زیادہ تر اعتماد امام جصاصؒ ہی کی کتاب پر کیا ہے۔ امام کوثریؒ نے جصاصؒ کو اس کتاب میں احناف کے عظیم فقہاء ومحدثین کی فہرست میں آگے بھی ذکر کیا ہے۔

قائل تھے۔ نظام نے اپنی حماقت وناعاقبت اندیشی، نیز اس فن سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے صحابہؓ کی جانب ایسی چیزیں منسوب کی ہیں جو ان کے شایانِ شان نہیں ہیں اور جو قرآن میں مذکور صحابہؓ کی شان میں بلند کلماتِ مدح وثناء کے خلاف ہیں۔ (۱۰)

---

(10) محدثِ جلیل شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ نے اس مقام پر کافی طویل حاشیہ لکھا ہے جس کا اختصار یہاں فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ موصوف لکھتے ہیں کہ ابو اسحاق ابراہیم بن سیار نظام معتزلی مشہور معتزلی ابوالہذیل علاف کا بھانجا تھا۔ اس کا نظام لقب اس لیے پڑا کیوں کہ یہ شخص بصرہ کی بازار میں نگ پرونے کا کام کرتا تھا۔ حقیقت میں یہ شخص ملحد تھا مگر تلوار کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کرپاتا تھا۔ امام ابو منصور بغدادیؒ نے ''الفرق بین الفرق'' ص۸۰-۷۹ نظامی فرقہ کے تحت اس کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ شخص ثنویہ، سمنیہ اور ملاحدہ کی صحبت میں رہ کر ان کے افکار سے متاثر ہوگیا، اور ان کی خرافات کو دینِ اسلام میں پھیلانے لگا۔ براہمہ کی طرح یہ بھی نبوت کا منکر تھا، قرآن کے نظم کا منکر تھا اور اسی طرح سے معجزات رسول جیسے انشقاقِ قمر، آپ کے ہاتھ میں کنکریوں کی تسبیح خوانی، آپ کی انگشت مبارک سے پانی کے نکلنے وغیرہ کا منکر تھا تاکہ بالآخر آپ کی نبوت کا بھی انکار کرسکے۔ یہ شخص شریعتِ اسلامیہ کا بھی منکر تھا؛ لیکن ظاہراً انکار نہیں کرپاتا تھا؛ بلکہ اس کے لیے ایسے نظریات وضع کرتا تھا جس سے ابطالِ شرع لازم آئے مثلاً اس نے اجماع اور قیاس کی حجیت کا انکار کردیا اور ان احادیث کو بھی مسترد کردیا جو علم ضروری کی موجب نہیں ہوتی ہیں۔

اکثر معتزلہ کا نظام کی تکفیر پر اتفاق ہے۔ خود اس کے ماموں شیخ المعتزلہ ابوالھذیل نے اس کی تکفیر کی ہے۔ اسی طرح امام جبائی معتزلی، اور امام اسکافی معتزلی نے بھی اس کی تکفیر کی ہے۔ اسی طرح سے ائمۂ اہلِ سنت، متکلمینِ عظام امام ابوالحسن اشعریؒ، امام قلانسیؒ، اور امام ابوبکر باقلانیؒ نے بھی مختلف کتابوں میں نظام کی تضلیل وتکفیر کی ہے۔ علامہ کوثریؒ ''الفرق بین الفرق'' کے حاشیہ میں فرماتے ہیں: ''نظام علماءِ حدیث پر شدید طعن

نظام کی اس رائے میں تقلید کرنے والی بغداد میں متکلمین کی ایک جماعت پیدا ہوگئی؛ لیکن ان لوگوں نے نظام کی طرح سلف پر طعن و تشنیع نہیں کی، اگرچہ ان حضرات نے بھی عناد وہٹ دھرمی کی وجہ سے قیاس جیسی بدیہی چیز کا انکار کرکے بدترین حماقت کا ارتکاب کیا ہے۔ اسلاف پر قیاس واجتہاد کے قائل ہونے کی وجہ سے طعن و تشنیع سے بچنے کے لیے ان حضرات نے یہ تاویل کی کہ صحابہؓ نے فروعی مسائل میں قیاس کا سہارا ثالثی کرنے کے لیے اور خصوم کے درمیان صلح کرنے کے لیے کیا تھا۔۔۔نہ کہ قطعی حکم اور حتمی فیصلہ صادر کرنے کے لیے۔ گویا کہ ان حضرات نے اپنی اس جاہلانہ تاویل کے ذریعہ اپنے مسلک کی ملمع کاری کی کوشش کی اور اُس تہمت سے کسی حد تک بچ گئے جو سلف کو خطاوار کہنے کی وجہ سے نظام پر ڈالی گئی تھی۔

منکرِ قیاس داؤد بن علیؒ

اس کے بعد ایک انتہائی جاہل اور حشوی قسم کا شخص ــــ داؤد بن علیؒ ــــ ان حضرات کی تقلید کرنے لگا جب کہ اس شخص کو دونوں گروہوں کے افکار کا اچھی طرح سے علم نہیں تھا۔ چنانچہ داؤدؒ نے منکرین قیاس کی جماعت سے تعلق رکھنے والے نظام کا کچھ کلام لیا اور کچھ کلام متکلمینِ بغداد کا اور اس کے ذریعہ قیاس واجتہاد کی نفی وتردید کرنے لگا حالانکہ یہ شخص قائلینِ قیاس اور منکرینِ قیاس دونوں ہی فریقوں کے دلائل سے بالکل ناواقف تھا، اور اس کے ساتھ ساتھ یہ شخص تمام عقلی دلائل کا منکر تھا اور اس کا دعوی تھا کہ دینی علوم

کرتا تھا، اور یہ اجماع اور قیاس کا انکار کرنے والا پہلا شخص ہے۔ اجماع اور قیاس سے متعلق اس کی بے تکی باتوں سے خوارج، ظاہریہ اور شیعہ بھی متاثر ہوگئے۔"

کے حصول وادراک میں عقل کا کوئی دخل نہیں ہے، اور اس طرح سے اس شخص نے اپنی ذات کو بہائم کے زمرہ میں داخل کرلیا؛ بلکہ ایسا شخص ان بہائم سے بھی زیادہ پست ہے۔"

امام ابو بکر رازیؒ نے قیاس واجتہاد کی حجیت سے متعلق دلائل وبراہین کی بھرمار کردی ہے جس کے مطالعہ کے بعد قیاس کی حجیت کے خلاف کسی بھی ہنگامہ آرائی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔

اس مفہوم کے اعتبار سے قیاس کا ملکہ اگر کسی فقیہ کے اندر موجود ہے، تو وہ فقیہ قابلِ ستائش سمجھا جائے گا، اور اس کا یہ وصف اس کی لطافتِ فہم اور فکری تعمق کی دلیل ہے۔ اسی لیے ابن قتیبہؒ نے اپنی کتاب "المعارف" میں فقہاء کو اصحاب الرائے کے عنوان سے ذکر کیا ہے، اور اس میں اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ، اور مالک بن انسؒ جیسے ائمہ کو شمار کیا ہے۔ اسی طرح سے حافظ محمد بن حارث خُشنیؒ نے امام مالکؒ کے تلامذہ کو اپنی کتاب "قضاة قرطبة" میں اصحاب الرائے کے لقب سے یاد کیا ہے۔ بالکل اسی عنوان سے حافظ ابو الولید بن الفرضیؒ نے فقہاء کو اپنی کتاب "تاريخ علماء الأندلس" میں ذکر فرمایا ہے۔

حافظ ابو الولید باجیؒ "موطا مالک کی حدیث "الداء العضال" کی شرح کرتے ہوئے امام مالکؒ سے اس لفظ کی ایک خاص تفسیر نقل کرنے والے محدثین پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں(۱۱): "ابن عبد البرؒ کا کہنا ہے کہ امام مالکؒ کے تلامذہ

(۱۱) ملاحظہ فرمائیں امام ابو الولید باجیؒ کی کتاب: "المنتقى شرح الموطا"

میں سے جو حضرات اصحاب الرائے ہیں ان میں سے کسی نے بھی یہ تفسیر امام مالکؒ سے نہیں نقل کی ہے۔" اصحاب الرائے سے مراد یہاں اصحاب الفقہ ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے شواہد ہیں جن کا احاطہ کرنا فی الحال ہمارا مقصود نہیں ہے۔

ان تمام تفاصیل سے پتہ چلتا ہے کہ فقہاء کے اجتہاد اور قیاس، اور کتاب اللہ اور سنت رسول کی روشنی میں تاروز قیامت پیش آنے والے نوازل وواقعات کے استخراج کو ہوی پرستی پر مبنی رائے اور قیاس کہہ کر ٹھکرانا ایک بدترین قسم کی بدعت ہے، جس کی تردید تمام دلائل شرعیہ کرتے ہیں۔

احناف کو اصحاب الرائے کہنے کی وجہ

احناف کو اصحاب الرائے اس لیے کہا جاتا ہے کیوں کہ یہ حضرات استنباط واستخراج کے میدان میں غیر معمولی ملکہ ومہارت رکھتے ہیں۔ فقہ کہیں کی بھی ہو، اس کے ساتھ قیاس کا ہونا لازمی ہے، اس سے قطع نظر کہ یہ فقہ مدینہ کی ہے یا عراق کی۔ تمام فقہاء ومجتہدین اپنے اپنے دلائل کی روشنی میں صرف شرائطِ اجتہاد کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ ان تمام حضرات کا قرآن وسنت اور اجماع وقیاس سے استدلال کرنے پر اتفاق ہے، اور ان میں سے کوئی بھی مجتہد ان مصادرِ اربعہ میں سے صرف ایک ہی مصدر سے استدلال کو کافی نہیں سمجھتا ہے۔(۱۲)

ج ۷ ص ۳۰۰۔

(۱۲) یعنی تمام مجتہدین اصولِ اربعہ: قرآن، وسنت، اور اجماع وقیاس کے ذریعہ استدلال

علماءِ حدیث کی ذمہ داری نقل وروایت ہے، یہ حضرات دواسازی اور دوافروشی کا کام کرتے ہیں جب کہ فقہاء کی مثال اطباء کی ہے، جیسا کہ امام اعمشؒ فرماتے ہیں۔ اگر کوئی تفقہ سے محروم محدث دھڑلے سے فتوی بازی کرنے کی کوشش کرے گا، تو پھر اس سے مضحکہ خیز غلطیوں کا صدور لازمی ہے۔ امام رامہرمزیؒ نے "المحدث الفاصل"، ابن الجوزیؒ نے "تلبیس إبلیس" اور "أخبار الحمقی والمغفلین" میں، اور خطیب بغدادیؒ نے "الفقیه والمتفقه" میں اس طرح کے مختلف واقعات ذکر کئے ہیں۔ (۱۳) لہذا محدثین کا خاص فقہی مکتبِ فکر بتانا بالکل بے معنی ہے۔ (۱۴)

کرتے ہیں، اور صرف ان میں سے کسی ایک میں استدلال کو قطعاً منحصر نہیں سمجھتے ہیں۔ لہذا جو حضرات شرعی استدلال کو قرآن وسنت میں منحصر سمجھتے ہیں، اور اجماع یا قیاس کا انکار کرتے ہیں، وہ شدید گمراہی کے شکار ہیں۔

(۱۳) حافظ ابن الجوزیؒ کی کتاب "تلبیس إبلیس" کی فصل "تلبیس إبلیس علی أصحاب الحدیث" ص۱۱۳-۱۱۱، اور ابن الجوزیؒ ہی کی دوسری کتاب "أخبار الحمقی والمغفلین" ص۱۲۷-۱۱۵، اور خطیب بغدادیؒ کی "الفقیه والمتفقه" ج۲ ص ۸۴-۸۱ ملاحظہ فرمائیں۔ ان کتابوں میں ان تمام مقامات پر محدثین کے ایسے فتاوی اور فقہی لغزشیں ذکر کی گئی ہیں جو نہایت مضحکہ خیز، سطحی، اور اصولِ شرع کے مخالف ہیں اور ان میں فقہی تعمق اور بصیرت کی کمی پائی جاتی ہے جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ محدث جب تک فقہ واصول اور قیاس ودیگر شرائطِ اجتہاد سے متصف نہ ہو اس وقت تک اس کے لیے فتاوی صادر کرنا کسی بھی حال میں روا نہیں ہے۔

(۱۴) امام کوثریؒ یہاں یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ بعض حضرات نے یہ دعوی کیا ہے کہ جس

علامہ سلیمان بن عبد القوی طوفی حنبلیؒ اصولِ حنابلہ کے موضوع پر لکھی گئی اپنی تصنیف "شرح مختصر الروضة" ج۳ ص ۲۹۰ میں فرماتے ہیں: "یاد رہے اصحاب الرائے اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے وہ تمام فقہاء و مجتہدین ہیں جو احکامِ شرعیہ میں قیاس کا استعمال کرتے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے تمام علماءِ اسلام اصحاب الرائے ہیں کیوں کہ کوئی بھی مجتہد اپنے اجتہاد میں نظر واستدلال اور قیاس ورائے سے مستغنی نہیں ہو سکتا ہے، اور تحقیقِ مناط اور تنقیحِ مناط کی جانب تو ہر ایک کو رجوع ہی کرنا پڑتا ہے جب کہ اس کی صحت میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (۱۵)

طرح سے فقہاء کا اپنا ایک خاص فقہی مکتبِ فکر ہے، اسی طرح سے محدثین کا بھی اپنا ایک خاص فقہی اور اجتہادی مکتبِ فکر ہے؛ لیکن یہ دعوی بالکل بے بنیاد اور بے معنی ہے کیوں کہ نرا محدث کبھی بھی فقیہ نہیں ہو سکتا ہے اور قیاس واصولِ استنباط میں مہارت کے بغیر مسائلِ شرعیہ کا استخراج نہیں کر سکتا ہے۔ لہذا جو لوگ محدثین کا اپنا الگ فقہی مسلک قرار دیتے ہیں وہ غلط فہمی کے شکار ہیں کیوں کہ اس طرح کے محدثین کے یہاں فقہ کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ علامہ بنوریؒ نے امام کوثریؒ کے اس جملے کے تحت اس کتاب کے اپنے نسخے میں یہ نوٹ کیا ہے کہ امام کوثریؒ اس کے ذریعہ کسی معاصر عالم پر رد کر رہے ہیں؛ لیکن علامہ بنوریؒ نے اس معاصر کا نام نہیں ذکر کیا ہے۔

(۱۵) محدثِ جلیل علامہ عبد الفتاح ابو غدةؒ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ تحقیقِ مناط، تنقیحِ مناط، اور تخریجِ مناط کی سب سے عمدہ توضیح وتشریح امام ابن قدامہ مقدسی حنبلیؒ نے اپنی کتاب "روضة الناظر وجنة المناظر" میں کی ہے۔ اس کے بعد شیخ ابو غدةؒ نے اس کتاب سے پوری تفصیل نقل کی ہے؛ لیکن ہم نے اختصار کی غرض سے اس طویل بحث کو یہاں نقل نہیں کیا ہے۔ لہذا جو حضرات اس موضوع پر مزید تفصیل چاہتے ہیں، وہ مذکورہ کتاب کا مطالعہ کریں۔

لیکن قدیم محدثین کی اصطلاح میں فتنۂ خلق قرآن کے بعد اصحاب الرائے کا اطلاق علماء عراق، یعنی اہل کوفہ اور ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کے ساتھ خاص کر دیا گیا۔۔۔

امام ابوحنیفہؒ پر ناروا طعن و تشنیع

بعض لوگوں نے ابوحنیفہؒ پر ناروا طعن و تشنیع کی ہے، جب کہ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ابوحنیفہؒ ان تمام تہمتوں سے بری ہیں۔ ابوحنیفہؒ کے بارے میں قولِ فیصل یہ کہ آپ نے عناد میں آکر احادیث کی مخالفت قطعاً نہیں کی ہے؛ بلکہ آپ نے جن احادیث کی بھی مخالفت کی ہے وہ اجتہاد کی بنا پر ہے جس کے لیے آپ کے پاس واضح دلائل اور قوی براہین موجود ہیں۔ آپ کے سارے علمی دلائل لوگوں کے سامنے موجود ہیں۔ آپ کے مخالفین بہت ہی کم آپ کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرتے ہیں۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ آپ سے کسی مسئلے میں غلطی ہوئی ہے، تو اس صورت میں آپ کو ایک اجر ملنا ہی ملنا ہے اور جن مسائل میں آپ مصیب ہیں ان میں آپ کو دہرا اجر ضرور ملے گا۔ امام ابوحنیفہؒ کے مخالفین یا تو حاسدین ہیں اور یا پھر مقام اجتہاد کے بارے میں بالکل جاہل ہیں۔ ہمارے علماء میں سے علامہ ابوالوردؒ نے اپنی کتاب "أصول الدین" میں ذکر کیا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ سے جو آخری رائے منقول ہے وہ یہ ہے کہ آپ ابوحنیفہؒ کا ذکرِ خیر فرماتے، اور آپ کی تعریف کرتے۔"

علامہ شہاب الدین بن حجر مکی شافعیؒ "الخیرات الحسان" ص۲۹ میں فرماتے ہیں: "ہمارے علماء یعنی متاخرین شوافع ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحابؒ کے بارے میں جو فرماتے ہیں کہ یہ حضرات اصحاب الرائے تھے اس سے آپ ہر گز

یہ نہ سمجھیں کہ یہ لوگ اس سے احناف کی تنقیص کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہی یہ حضرات احناف کی جانب یہ منسوب کرنا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ اپنی رائے کو حدیثِ رسول یا اقوالِ صحابہؓ پر مقدم رکھتے ہیں؛ کیوں کہ احناف اس سے بالکل بری ہیں۔" اس کے بعد ابن حجر ہیتمیؒ نے مخالفین پر رد کرتے ہوئے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ کس طرح سے ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب فقہی مسائل میں کتاب اللہ، سنتِ رسول، اور اقوالِ صحابہؓ سے استدلال کرتے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض نیک محدثین ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحابؒ کو خاص طور پر طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں کیوں کہ یہ حضراتِ محدثین احادیث کے اندر موجود ان عللِ قادحہ کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں جس کی وجہ سے ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحابؒ ان احادیث کو مسترد کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں محدثین یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ احناف نے حدیث کو ترک کر کے قیاس کو اختیار کیا ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ محدثین اپنے ذہنی جمود کی وجہ سے ان فقہاء کے دلائل سے احکام کے وجوہِ استنباطِ سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں کیوں کہ ان فقہاء کا علمی معیار نہایت دقیق اور لطیف ہوتا ہے۔ اس صورت میں محدثین فقہاء پر طعنے کسنے لگتے ہیں کہ انھوں نے حدیث کو مسترد کر کے قیاس پر عمل کیا ہے؛ لیکن اس طرح کے طعن و تشنیع سے محدثین خود اپنے آپ کو نقصان پہونچائیں گے نا کہ کسی اور کو۔

ابن حزم ظاہریؒ نے کلی طور پر قیاس کو رد کر دیا ہے۔ چونکہ ابو حنیفہؒ اور دیگر ائمہ قیاس کے قائل ہیں اس لیے ابن حزمؒ نے ان حضرات کو بدترین طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا ہے۔ قاضی ابو بکر بن العربی مالکیؒ نے اپنی کتاب "العواصم

من القواصم" میں ابن حزمؒ پر اس سلسلے میں رد کر کے فرضِ کفایہ ادا کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قیاس کے ابطال اور نفی کے لیے ابن حزمؒ کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ حجیتِ قیاس سے متعلق صحابہؓ سے ثابت شدہ روایات کو ابن حزمؒ نے دھاندھلے بازی سے رد کر دیا ہے جب کہ دوسری طرف قیاس کی تردید کے سلسلے میں وارد واہی تباہی قسم کی روایات کو صحیح قرار دیا ہے۔(۱۶)

تعجب ہوتا ہے کہ ایک ایسا صحافی(۱۷) جس کی علمی نشو ونما تک نہیں ہوئی اس نے اپنی میگزین کو ایک ایسا پلیٹ فارم بنا رکھا ہے جس کے ذریعہ یہ شخص لوگوں کو ایک خود ساختہ مذہب کی جانب دعوت دے رہا ہے، حالانکہ اسے خود اس مذہب کے اصول و فروع سے کوئی واقفیت نہیں ہے۔ اس صحافی نے

---

(۱۶) محدثِ جلیل علامہ عبد الفتاح ابوغدہؒ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں: قیاس کے بارے میں متقدمین و متاخرین میں سے متعدد علماء نے ابن حزمؒ پر رد کیا ہے۔ نفیِ قیاس کے دعوی کے ابطال کے لیے لکھی گئی سب سے عمدہ کتاب امام ناصح الدین بن نجم الدین حنبلیؒ کی "أقيسة النبى المصطفى محمد صلى الله عليه وسلم" ہے، اور اسی طرح سے اس کتاب کا اختصار امام صلاح الدین کیکلدیؒ نے کیا ہے۔ ان دونوں کتابوں میں تقریباً ۱۵۰ ایسی احادیث کا ذکر کیا گیا ہے جو قیاس کی حجیت کو ثابت کرتی ہیں۔
شیخ ابوغدہؒ ان دونوں ہی کتابوں کو اپنی تحقیق و تعلیق کے ساتھ شائع کرنے کے خواہشمند تھے؛ لیکن اب تک پتہ نہیں چل سکا کہ آیا شیخ کی یہ تمنا پوری ہو سکی تھی یا نہیں۔ ویسے نجم الدین حنبلیؒ کی کتاب دیگر محققین کی تحقیق و ایڈٹنگ کے ساتھ اس وقت شائع ہو چکی ہے۔
(۱۷) محدثِ جلیل علامہ عبد الفتاح ابوغدہؒ نے اپنے حاشیہ میں ذکر فرمایا ہے کہ اس صحافی سے مراد مجلہ "المنار" کے ایڈیٹر شیخ محمد رشید رضا مصریؒ ہیں۔، اور آگے موصوف کے جس رسالہ کا ذکر آرہا ہے اس کا نام ہے: "يسر الإسلام وأصول التشريع العام"۔

تقریباً دس سال پہلے اصولِ فقہ کے موضوع پر ایک رسالہ تصنیف کیا جس میں اس نے قیاس کی نفی کے لیے ابن حزمؒ کی آراء، اور بعض قائلینِ قیاس کے نظریات کو ایسے انداز سے جمع کیا ہے جو کہ ائمۂ متبوعین کے منہج سے بالکل متصادم ہے، اور اسی کے ساتھ اس نے اپنے اس رسالہ میں بعض شذوذ پسند علماء کی رائے سے استدلال کیا ہے، اور یہ ایک ایسے نئے مذہب کی بناڈالنا چاہتا ہے جسے یہ صحافی محض ایک مصلحت قرار دیتا ہے، اگرچہ اس کی یہ خودساختہ مصلحت قرآن وحدیث کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس طرح سے اس صحافی نے اس کتاب میں ایسے متضاد قسم کے اصول جمع کر دیئے ہیں جس سے متضاد فروع ہی متفرع ہوسکتے ہیں، اور ایسا تضاد کسی عقلِ مضطرب ہی کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔ گویا یہ صحافی گائے کے بطن سے انسان پیدا کرنے کی کوشش کررہا ہے۔

ابطالِ قیاس کے لیے ابنِ حزمؒ کا نعیم بن حمادؒ کی باطل حدیث سے استدلال

ابنِ حزمؒ ابطالِ قیاس کے لیے نعیم بن حمادؒ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جب کہ نعیم بن حمادؒ یہ حدیث روایت کرنے کی وجہ سے جمہورِ محدثین کی نظروں میں ہمیشہ کے لیے گر گئے۔ کیا ابن حزمؒ کو اس حدیث کے بارے میں یہ سب معلوم نہیں ہے؟ اہلِ مشرق کے چھوٹے چھوٹے طلبۂ حدیث اس حدیث کی حقیقت سے واقف ہیں، اور وہ ہے قیاس الأمور بالرأے کی حدیث

یعنی قیاس کی روشی میں استنباطِ مسائل کی حدیث۔[18]

اِس حدیث کی سند میں ایک روای حریز ناصبی ہے؛ لیکن اجتہاد کے دعویدار اس صحافی نے اس کو جریر بنادیا ہے۔ اس صحافی نے ابن حزمؒ کی دلیل کے علاوہ ایک دوسری دلیل بھی پیش کی ہے، اور وہ ہے سابایاالامم کے نام سے معروف ”سنن ابن ماجة“ کی حدیث۔ صحافی کا خیال ہے کہ یہ حدیث حسن ہے حالانکہ اس حدیث کی سند میں سوید ہے جس کو امام یحیی بن معینؒ نے حلال الدم قرار دیا

---

(١٨) امام کوثریؒ نعیم بن حمادؒ کی جس روایت کردہ حدیث کی جانب اشارہ فرمارہے ہیں اس کا متن یہ ہے: تفترق أمتي على بضع وسبعين فرقة أعظمها فتنة على أمتي قوم يقيسون الأمور برايهم فيحلون الحرام ويحرمون الحلال۔ (یعنی میری امت ستر سے زیادہ فرقوں میں منقسم ہوگی، اور ان میں میری امت کے لیے سب سے زیادہ فتنہ انگیز وہ گروہ ہوگا جو مسائل میں قیاس کا استعمال کرے گا، جس کے ذریعہ حرام کو حلال، اور حلال کو حرام بنادے گا۔)

محدثِ جلیل علامہ عبد الفتاح ابو غدہ حلبیؒ نے اپنے حاشیہ میں ذکر کیا ہے کہ امام کوثریؒ امام ابو منصور البغدادیؒ کی کتاب ”الفرق بين الفرق“ کے مقدمہ ص ۵ میں فرماتے ہیں:

”عجیب بات ہے کہ ابن حزمؒ ابطالِ قیاس کے لیے نعیم بن حمادؒ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ یہ حدیث مشرق ومغرب کے تمام محدثین کے یہاں متعدد وجوہ سے ساقط الاعتبار ہے۔ یحی بن معینؒ سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اس پر آپ سے پوچھا گیا کہ پھر اس حدیث کے راوی نعیم بن حمادؒ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ ابن معینؒ نے فرمایا کہ نعیمؒ تو بذاتِ خود ثقہ ہیں۔ پھر سائل نے یہ اعتراض کیا کہ بھلا ایک ثقہ راوی باطل حدیث کی روایت کیسے کرسکتا ہے؟ ابن معینؒ نے اس کا یہ جواب دیا کہ نعیمؒ کو التباس ہوگیا۔ اس کے علاوہ خطیب بغدادیؒ نے ”تاریخ بغداد“ ج ١٣ ص ٣٠٧ میں اس حدیث پر بڑی لمبی بحث کی ہے۔“

ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ حافظ شہاب الدین بوصیریؒ نے نقدِ حدیث میں نہایت متساہل ہونے کے باوجود "مصباح الزجاجة" میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اسی طرح سے اس حدیث میں ایک دوسرا راوی ابن ابی الرجالؒ ہے، اور یہ راوی امام نسائیؒ کے نزدیک متروک، اور امام بخاریؒ کے یہاں منکر الحدیث ہے۔

فقہاءِ اسلام کو اہل الرائے اور اہل الحدیث کے دو کیمپوں میں تقسیم کرنا ایک تاریخی غلطی ہے

اس صحافی نے فقہاءِ اسلام کو اہل الرائے اور اہل الحدیث کے نام سے دو فریقوں میں تقسیم کر دیا ہے، حالانکہ اس نظریہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ نظریہ تو بعض شذوذ پسند متاخرین کا ہے جنھوں نے امام احمدؒ کے دور میں رونما ہونے والے فتنہ کے بعد بعض جاہل قسم کے محدثین سے اخذ کیا ہے۔

ابراہیم نخعیؒ اور آپ کے طبقہ کے بعض علماء کی جانب جو قول منسوب کیا جاتا ہے کہ اہل الرائے حدیث وسنت کے دشمن ہیں، اس سے ان حضرات کی مراد وہ رائے ہے جو اعتقادی امور میں سنتِ متوارثہ کے خلاف ہو، اور اس سے ان حضرات کا نشانہ خوارج، قدریہ، مشبہہ اور اس کے علاوہ دیگر اہلِ بدع ہیں۔ اس سے ان حضرات کی مراد فروعی احکام میں اجتہاد وقیاس کی مذمت قطعاً نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ان حضرات کے اس تبصرے کو اس کے علاوہ کسی اور محمل پر منطبق کرنا

ہے، تو یہ تحریف کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جب ابراہیم نخعیؒ اور سعید بن المسیبؒ خود فروعی مسائل میں قیاس کے قائل ہیں، تو پھر یہ حضرات اس کی مخالفت کیسے کرسکتے ہیں، اور جو حضرات اس کے علاوہ کچھ اور خیال کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

قیاس کی حجیت سے متعلق صحابۂ کرام سے جو کچھ مروی ہے ابن حزمؒ اس کی تکذیب پر تلے ہوئے ہیں، اور بطورِ خاص حضرت عمرؓ کی حدیث[19] کی تردید کرتے ہیں حالانکہ خطیب بغدادیؒ وغیرہ نے اس

---

(۱۹) حدیثِ عمرؓ سے مراد "مسند أحمد" ج۱ص۲۱ اور "سنن أبي داود" ج۲ص۴۱۸ میں مروی حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ ہے: هَشَشْتُ يَوْمًا فَقَبَّلْتُ وَأَنَا صَائِمٌ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: صَنَعْتُ الْيَوْمَ أَمْرًا عَظِيمًا، قَبَّلْتُ وَأَنَا صَائِمٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَرَأَيْتَ لَوْ تَمَضْمَضْتَ بِمَاءٍ وَأَنْتَ صَائِمٌ؟ قُلْتُ: لَا بَأْسَ بِذٰلِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفِيمَ؟ (ایک دن میں خوشی کے عالم میں تھا اور روزہ کی حالت میں، میں نے بوسہ لے لیا، اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور میں نے کہا: مجھ سے آج بہت بڑی غلطی سرزد ہوگئی ہے، میں نے روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا روزے کی حالت میں پانی سے کلی کرنے سے کچھ ہوتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، اس میں کوئی حرج نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اس بوسہ میں بھی کوئی حرج نہیں۔) محدثِ جلیل علامہ عبدالفتاح ابوغدہؒ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں: شوکانی "نيل الأوطار" ج۴ص۱۷۹ میں فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہؒ، ابن حبانؒ اور حاکمؒ نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ امام نسائیؒ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور اسے منکر قرار دیا ہے۔ شیخ احمد محمد شاکرؒ "الإحكام في أصول الأحكام" ج۷ص۱۰۰ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، اور منذریؒ نے اس کو نسائی کی جانب منسوب کیا ہے اور یہ کہ نسائیؒ نے اسے منکر

حدیث کو حضرت عمرؓ سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ متعدد طرق سے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر صحابہؓ سے بھی روایات موجود ہیں۔

حدیثِ معاذؓ حجیتِ قیاس کی سب سے اہم دلیل

خطیب بغدادیؒ اپنی کتاب "الفقیہ والمتفقہ" میں قیاس واجتہاد سے متعلق معاذؓ کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند میں حارث بن عمروؒ نے روایت کرتے وقت معاذؓ کے متعدد شاگردوں کا بطورِ راوی ذکر کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حدیث مشہور ہے، اور اس کے رواۃ بھی متعدد ہیں۔ حضرتِ معاذؓ کا علم وفضل اور زہد وتقوی محتاجِ بیان نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے حضرتِ معاذؓ کے تلامذہ متدین، ثقہ، متقی اور صالح ہی رہے ہوں گے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ عبادہ بن نسیؒ نے عبد الرحمن بن غنمؒ، اور انھوں نے معاذؓ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے، اور اس صورت میں یہ حدیث متصل ہوگی، اور اس حدیث کے سارے رجال اپنی ثقاہت کی وجہ سے معروف ہیں۔ اس کے علاوہ علماء نے اس حدیث کو قبول کرلیا ہے، اور اس کے ذریعہ استدلال کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان حضرات کے نزدیک صحیح ہے۔

قرار دیا ہے؛ لیکن مجھے یہ قول سنن نسائیؒ میں نہیں ملا، اور اس حدیث پر منکر کا حکم لگانے کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

اس حدیث کی تفصیلی شرح اور توضیح کے لیے خطیب بغدادیؒ کی "الفقیہ والمتفقہ" ج۱ص۱-۱۹۲ ملاحظہ فرمائیں۔

اس سے ملتا جلتا کلام بلکہ اس سے بھی زیادہ جامع بحث امام ابو بکر رازی جصاصؒ کی کتاب "الفصول في الأصول" میں موجود ہے۔ منکرین قیاس سے متعلق امام جصاصؒ کا کلام پہلے ہی گذر چکا ہے۔ یہاں اس مسئلے پر اس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ جو حضرات ظاہریہ اور ان کے متبعین کے کھوکھلے دلائل کو پاش پاش کر دینے والی متعدد روایات سے واقفیت رکھنا چاہتے ہیں، تو انھیں ابو بکر رازی جصاصؒ کی "الفصول في الأصول"، اور خطیب بغدادیؒ کی "الفقیه والمتفقه" کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔ شاید اس وقت یہاں اتنی تفصیل کافی ہو گی۔

استحسان

کچھ ایسے لوگ جن کو علم وفہم سے کوئی مناسبت نہیں ہے ان کا خیال ہے کہ احناف کے نزدیک استحسان کسی ایسے حکم کا نام ہے جسے انسان اپنی شہوت، ہوی پرستی اور لذت کوشی کی بنیاد پر وضع کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ابن حزمؒ نے اپنی کتاب "الإحكام في أصول الأحكام" [٢٠] میں استحسان کی تفسیر یہ کی ہے کہ یہ شہوتِ نفس اور اتباع ہوی ہے جس میں حکم کبھی صحیح اور کبھی غلط ہوتا ہے۔ لیکن اس طرح کے استحسان کا کوئی بھی فقیہ قائل نہیں ہے۔ اگر استحسان کے ذریعہ احناف کا منشا یہی ہوتا، تو پھر مخالفین کو ان حضرات پر رد کرنے اور نکتہ چینی کرنے کا پورا حق تھا؛ لیکن بد قسمتی سے مخالفین نے جو اعتراضات اور تنقیدیں احناف پر کی ہیں وہ ان پر وارد نہیں ہوتی ہیں؛ بلکہ خود مخالفین قابلِ تنقید ہیں جنھوں نے اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے اس بحث میں احناف کے دقیق اصول کو سمجھنے سے قاصر رہنے کی وجہ سے بلا سوچے سمجھے ان حضرات پر اعتراض کرنا شروع کردیا۔

قیاس کی حجیت کے قائل تمام مجتہدین میں کوئی بھی ایسا فقیہ نہیں ہوگا جو بالکل اسی مفہوم کے اعتبار سے استحسان کا سہارا نہ لیتا ہو جس کے قائل احناف

---

(٢٠) امام ابن حزم ظاہریؒ اسی کتاب میں ج٦ ص١٧ پر فرماتے ہیں: الاستحسان شهوة واتباع للهوى وضلال. (یعنی استحسان شہوت پرستی، اتباعِ ہوی اور گمراہی ہے۔)

ہیں۔(۲۱) اس مقام پر استحسان سے استدلال کرنے سے متعلق فقہاء کے مذاہب کے نمونے پیش کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ امام شافعیؒ نے ابطالِ استحسان سے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ موصوف کی تحریری لغزش ہے۔ اگر ابطالِ استحسان سے متعلق امام شافعیؒ کے دلائل کو صحیح مان لیا جائے، تو یہی دلائل استحسان کو باطل کرنے سے پہلے نفس قیاس کی حجیت کو بھی باطل کر دیں گے جب کہ قیاس سے استدلال کے قائل خود امام شافعیؒ بھی ہیں۔

ابراہیم بن جابرؒ اور ابطالِ قیاس

اس سلسلہ میں ایک نہایت دلچسپ واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عباسی خلیفہ متقی للہؒ کے دورِ خلافت میں ابراہیم بن جابرؒ سے کسی بڑے قاضی نے پوچھا کہ وہ مذہبِ شافعی چھوڑ کر ظاہری مذہب کے مقلد کیوں ہو گئے؟ اس پر ابراہیم بن جابرؒ نے جواب میں کہا: ابطالِ استحسان سے متعلق امام شافعیؒ نے جو کچھ لکھا ہے میں نے اسے پڑھا، اور اسے بالکل درست پایا۔ تاہم ابطالِ استحسان کے لیے امام شافعیؒ نے جو دلائل پیش فرمائے ہیں، بالکل انھیں دلائل سے قیاس کا بھی بطلان ثابت ہوتا ہے جس کی وجہ سے میرے نزدیک قیاس کی حجیت بھی باطل ہے۔

---

(۲۱) یعنی اجتہاد واستنباط سے تعلق رکھنے والے تمام فقہاء استحسان کا استعمال کرتے ہیں اور بوقت ضرورت اس کی جانب رجوع کرتے ہیں یہ اور بات ہے کہ وہ اسے کوئی اور نام دیتے ہیں۔ تو گویا استحسان کے قائل احناف اور منکرین استحسان کے درمیان نزاع محض لفظی ہے، حقیقی نہیں، اگرچہ مخالفین نے اس اختلاف کو حقیقی اختلاف بتا کر احناف پر طعن وتشنیع کی ہے۔

گویا ابراہیم بن جابرؒ ایسے مذہب کی اتباع نہیں کرنا چاہ رہے تھے جس کے اصول میں تناقض پایا جائے، جس کی وجہ سے موصوف ایسے مذہب میں منتقل ہو گئے جس سے دونوں ہی کا بطلان ثابت ہوتا ہو۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ قیاس اور استحسان دونوں ہی کی حجیت اپنی جگہ پر برقرار ہے۔ قیاس اور استحسان کے قائل حضرات جس معنیٰ میں ان کا استعمال کرتے ہیں اس کے اعتبار سے ان میں کسی کو بھی باطل قرار نہیں دیا جاسکتا؛ بلکہ اگر غور کیا جائے تو استحسان سے متعلق اہلِ قیاس حضرات کے درمیان اختلاف محض لفظی ہے۔

حجیتِ استحسان سے متعلق امام ابو بکر رازی جصّاصؒ کا مفصل اور مدلل کلام

اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالنے کے لیے میں امام ابو بکر رازیؒ کی کتاب "الفصول في الأصول" سے چند سطور نقل کرنا چاہوں گا؛ کیوں کہ جہاں تک میرا خیال ہے اتنے واضح اور مفصل انداز سے موصوف کے علاوہ کسی اور نے اس موضوع پر روشنی نہیں ڈالی ہے۔

چنانچہ موصوف استحسان کی بحث میں اپنی کتاب "الفصول في الأصول" میں فرماتے ہیں: ہمارے علماء جن مسائل میں استحسان کے قائل ہیں وہ ایسے مسائل ہیں جن کے دلائل اور براہین بھی ان کے ساتھ موجود ہیں۔ ہمارے علماء شہوت رانی اور اتباعِ ہوی کی بنا پر ان مسائل کے قائل نہیں ہیں۔ مسائلِ استحسان سے متعلق دلائل ان کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں جنھیں ہم نے اپنے علماء کی کتابوں کی شروحات میں بیان کیا ہے۔ یہاں ہم اختصار کے ساتھ چند امور کی جانب اشارہ کریں گے جس سے اس سلسلہ میں ہمارے علماء کا

نظریہ صحیح طور پر سمجھنے میں اہل علم حضرات کو مدد ملے گی۔ سب سے پہلے ہم یہ بیان کرنا چاہیں گے کہ لفظِ استحسان کے استعمال اور اس کے جواز کے لیے دلیل کیا ہے۔

لفظ استحسان اور اس کا لغوی پس منظر

چوں کہ ہر وہ چیز جس کے حسن پر اللہ تعالی نے دلائل قائم کر کے اس کی تحسین کی ہے اسے مستحسن قرار دیا جاتا ہے، یہیں سے ان چیزوں کے لیے لفظِ استحسان کے استعمال کا بھی جواز مل جاتا ہے جن کی صحت پر دلائل قائم ہوں، اور جس کو بجالانے کے لیے اللہ نے حکم دیا ہو، اور ایسا کرنے والے کو ہدایت کا مستحق قرار دیا ہو۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں: {فَبَشِّرْ عِبَادِي الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ} [الزمر- ۱۷-۱۸] (لہذا میرے ان بندوں کو خوشی کی خبر سنا دو جو بات کو غور سے سنتے ہیں تو اس میں جو بہترین ہوتی ہے، اس کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی ہے، اور یہی ہیں جو عقل والے ہیں۔)

ابن مسعودؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن، و ما رآه المؤمنون سيئا فهو عند الله سي. (مسلمان جس چیز کو اچھا سمجھیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے، اور مسلمان جس چیز کو برا سمجھیں تو وہ اللہ کے یہاں بھی بری ہے۔) (۲۲) لہذا جب قرآن اور سنت میں اس لفظ کی حقیقت موجود ہے

---

(۲۲) محدثِ جلیل شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں: صحیح بات تو یہ ہے

تو مقصود کی تفہیم اور معنی کی تعیین کے طور پر جن امور کی صحت پر دلائل قائم ہوں ان میں اس لفظ کے استعمال کو ممنوع قرار نہیں دیا جاسکتا۔

حجیتِ استحسان سے متعلق اختلاف کی نوعیت

استحسان کی مذمت کرنے والے ہمارے ساتھ یا تو اِس لفظ کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں یا پھر معنی کے بارے میں۔ اگر وہ ہمارے ساتھ اس لفظ میں اختلاف کرتے ہیں، تو ان کا یہ لفظی اختلاف قابلِ تسلیم ہے، وہ اس مقصود کے لیے اپنی مرضی کے مطابق کوئی اور تعبیر یا لفظ استعمال کر سکتے ہیں۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو یہاں لفظی اختلاف کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے؛ کیوں کہ ہر شخص کو اپنے معانی مفہومہ و معقولہ کی تعبیر کے لیے اپنی مرضی کے مطابق الفاظ کے انتخاب کا حق ہے، اور اگر یہ لفظ شرعی اور لغوی طور پر معنی کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو تو پھر اور بھی اچھی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کبھی ایک شخص اپنے مقصود کو عربی زبان میں بیان کرتا ہے جب کہ بعض دوسرے اوقات میں وہی شخص اپنا مافی الضمیر فارسی میں ادا کرتا ہے، اور ہم اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتے ہیں۔

کہ یہ حدیث عبد اللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے اور امام احمدؒ نے "المسند" میں ج ۱ ص ۳۷۹ پر اسے ابن مسعودؓ ہی کے قول کے طور پر روایت کیا ہے، اور حافظ نور الدین ہیثمیؒ نے "مجمع الزوائد" ج ۱ ص ۱۷۷ پر اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد تبصرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حدیث کی تخریج احمدؒ، بزارؒ اور طبرانیؒ نے "المعجم الکبیر" میں کی ہے اور اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ شیخ احمد شاکرؒ نے "المسند" ج ۵ ص ۲۱۱ پر اپنی تعلیق میں اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔

فقہاءِ کرام نے مختلف مقاصد کے لیے لفظِ استحسان کا استعمال کیا ہے۔ ایاس بن معاویہؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: "جب تک لوگوں میں صلاح پایا جائے، تو قضاء کے امور میں قیاس کرو، اور جب لوگوں میں فساد آجائے، تو پھر استحسان کا سہارا لو۔" لفظِ استحسان مالک بن انسؒ کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں استحساناً اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ متعہ (مطلقہ عورت کو دیا جانے والا تحفہ) تیس درہم ہو۔ اس تفصیل سے لفظِ استحسان کے استعمال اور اس کی ممانعت کے بارے میں اعتراض بالکل ساقط ہو جاتا ہے۔

اور اگر کوئی شخص ہم سے اس لفظ کے معنی کے بارے میں بحث کرتا ہے — کیوں کہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارا خصم معنی کو بغیر دلالت کے تسلیم نہیں کر رہا ہے — تو ہم ان حضرات سے یہ کہنا چاہیں گے کہ ہمارے علماء کے نزدیک لفظِ استحسان میں تمام معانی بھی موجود ہیں، جس کی صحت کے لیے ہم دلائل قائم کر سکتے ہیں، اور حجج وبراہین سے اسے ثابت کر سکتے ہیں۔

استحسان کے دو معانی اور اس کی چند نظیریں

لفظِ استحسان میں دو معانی پنہاں ہیں:

اولاً: استحسان میں اجتہاد کا استعمال کیا جاتا ہے اور ہمارے اپنے اجتہادات اور آراء پر منحصر مقادیر کے اثبات کے لیے ظنِ غالب پر عمل کیا جاتا ہے مثلاً مطلقہ عورتوں کو دیے جانے والے تحفہ کی تعیین کا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعاً

بِالْمَعْرُوفِ حَقّاً عَلَى الْمُحْسِنِينَ (اور ایسی صورت میں ان کو کوئی تحفہ دو، خوشحال شخص اپنی حیثیت کے مطابق، اور غریب آدمی اپنی حیثیت کے مطابق بھلے طریقے سے یہ تحفے دے۔ یہ نیک آدمیوں پر ایک لازمی حق ہے۔) (بقرہ: ۲۳۶) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تحفہ کو انسان کی وسعت اور تنگی کا لحاظ کرتے ہوئے واجب قرار دیا ہے، اور اس کی مقدار کو متعین کرنے کا واحد ذریعہ غالب رائے اور غالب ظن ہے۔

نیز اس کی نظیر بیویوں کا نفقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (اور جس باپ کا وہ بچہ ہے اس پر واجب ہے کہ وہ بھلائی کے ساتھ ان ماؤں کے کھانے اور لباس کا خرچ اٹھائے۔) (بقرہ:۲۳۳) اس آیت میں مذکور معروف یا بھلائی کی تعیین کا راستہ صرف اجتہاد ہے۔

اسی طرح سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَمَن قَتَلَهُ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا (اور اگر تم میں سے کوئی اسے جان بوجھ کر قتل کر دے، تو اس کا بدلہ دینا واجب ہوگا (جس کا طریقہ یہ ہوگا کہ) جو جانور اس نے قتل کیا ہے اس جانور کے برابر چوپایوں میں سے کسی جانور کو جس کا فیصلہ تم میں سے دو دیانت دار تجربہ کار آدمی کریں گے، کعبہ پہونچا کر قربان کیا جائے، یا (اس کی قیمت کا) کفارہ مسکینوں کو کھانا کھلا کر ادا کیا جائے، یا اس کے برابر روزے رکھے جائیں۔) (مائدہ:۹۵) فقہاء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ آیا اس آیت میں مثل سے

مراد قیمت ہے یا چوپایہ کی نظیر۔ جس رائے کو بھی اختیار کیا جائے گا، وہ دو دیانتدار اور عادل ہی کے اجتہاد اور فیصلہ پر منحصر ہو گی۔

اسی طرح سے ایسے جرائم کے تاوان جن کی مقدار کی تعیین سے متعلق نہ تو کوئی نص وارد ہے اور نہ ہی اجماع پایا جاتا ہے تو پھر انھیں بھی اجتہاد ہی کے ذریعہ جانا جاسکتا ہے۔ اصولِ فقہ میں اس طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ ہم نے یہاں یہ مثال بطور نمونہ کے ذکر کی ہے تاکہ اس کے ذریعہ دیگر نظائر کے لیے استدلال کیا جاسکے۔

چنانچہ ہمارے علماء نے اس نوع کے اجتہاد کو استحسان کا نام دیا ہے، اور اس مفہوم میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور کوئی بھی فقیہ اس کے خلاف نہیں جاسکتا ہے۔

استحسان کی دوسری قسم وہ ہے جس میں قیاس کو چھوڑ کر اس سے اولی کو اختیار کیا جاتا ہے، اور اس کی دو قسمیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ کوئی فروعی مسئلہ دو اصل کے تحت آتا ہے، اور دونوں سے مشابہت رکھتا ہے، تو پھر ایسی صورت میں اس مسئلہ کو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ کسی دلالتِ موجبہ کی بنا پر ملانا ضروری ہو گا، اور اسی کو استحسان کہا جاتا ہے۔ جس صورت میں مسئلہ ایک اصل سے مشابہت نہ رکھتا ہو، تو پھر دوسرے اصل سے مشابہت رکھے گا، اور پھر اس سے اس کا الحاق ضروری ہو گا۔ مسائلِ فرعیہ میں سب سے غامض اور سب سے دقیق اسی نوع کا مسئلہ ہوتا ہے کیوں کہ اس صورت میں ایک پہلو کو دوسرے پہلو پر ترجیح دینے کے لیے عمیق نظر، اور غور و تدبر کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس کو کسی ایک اصل

کے ساتھ ملحق کیا جاسکے۔

دو اصل کے تحت آنے والے مسئلہ کی مثال ــ جس میں ایک اصل کو چھوڑ کر دوسرے اصل کے ساتھ مسئلہ کو جوڑا جاتا ہے ــ ہمارے علماء یہ دیتے ہیں کہ مثلاً ایک آدمی اپنی بیوی سے کہتا ہے: اگر تجھے حیض آیا تو طلاق۔ اس پر وہ عورت کہتی ہے: مجھے حیض آگیا ہے۔ اس صورت میں قیاس یہ کہتا ہے کہ اس عورت کی اس وقت تک تصدیق نہیں کی جائے جب تک کہ اس کے وجودِ حیض کا علم نہ ہو جائے، یا پھر شوہر اس کی تصدیق کر دے؛ لیکن اس کے باوجود ہم استحساناً طلاق کو واقع کر دیتے ہیں۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم اس استحسان میں کچھ قیاس بھی داخل کر دیتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ علماء کا یہ خیال کہ قیاس کے مطابق اس کی تصدیق نہیں کی جانی چاہیے اس کی وجہ یہ ہے کہ متفق علیہ اصل سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ایقاعِ طلاق جیسے معاملہ میں عورت کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ مثال کے طور پر ایک شوہر اپنی بیوی سے کہتا ہے اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی، تو تجھے طلاق، اور اگر تو نے زید سے بات کی، تو تجھے طلاق۔ اس کے بعد عورت نے کہا: قسم کے بعد میں گھر میں داخل ہوئی یا زید سے بات کی؛ لیکن شوہر اس کی تکذیب کر رہا ہے، تو پھر ایسی صورت میں اس عورت کی تصدیق نہیں کی جائے گی، اور اس وقت تک طلاق واقع نہ ہو گی جب تک کہ یہ بینہ سے ثابت نہ ہو جائے یا یہ کہ شوہر خود اقرار کر لے۔

اس اصل پر قیاس کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اُس وجود حیض سے متعلق عورت کی تصدیق نہ کی جائے جسے شوہر نے وقوعِ طلاق کے لیے شرط قرار دیا ہے۔

اسی طرح سے اگر شوہر بیوی سے کہتا ہے: اگر تجھے حیض آیا تو پھر میرا غلام آزاد، یا پھر یوں کہا کہ پھر میری دوسری بیوی کو طلاق۔ اس پر عورت نے کہا کہ مجھے حیض آگیا ہے، اور شوہر نے اس کی تکذیب کر دی، تو پھر غلام آزاد نہ ہو گا اور نہ ہی دوسری بیوی مطلقہ ہو گی۔

اس مسئلہ میں اصول کے استعمال کے اعتبار سے تشابہ اور تعارض پایا گیا، اور اگر یہ مسئلہ ایک ہی اصل کے تحت آتا تو پھر اسے اسی اصل کے ساتھ جوڑ دیا جاتا اور وہی حکم اس صورت میں بھی جاری کیا جاتا؛ لیکن یہاں اس مسئلہ میں ایک اور اصل سامنے آرہی ہے جو پہلی اصل کے ساتھ اس مسئلہ کو جوڑنے کے لیے مانع بن رہی ہے، اور اسے اصلِ ثانی کے ساتھ ملحق کرنے کا تقاضا کر رہی ہے۔

وہ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: {وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ} (اور ان کے لیے حلال نہیں ہے کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو کچھ (حمل یا حیض) پیدا کیا ہے اسے چھپائیں۔) (البقرہ: ۲۲۸) سلف سے مروی ہے کہ مذکورہ آیت میں اس سے یعنی جو کچھ سے مراد حیض اور حمل ہے۔ ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: امانت کی وجہ سے عورت کو اپنی شرمگاہ کا امین بنایا گیا ہے۔ مذکورہ قرآنی آیت میں اللہ نے عورت کو نصیحت کی ہے اور اپنی حالت کو چھپانے سے منع کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کے رحم میں وجودِ حمل اور عدمِ حمل کے بارے میں، اور اسی طرح سے وجودِ حیض اور عدمِ حیض کے بارے میں عورت ہی کی بات مانی جائے گی۔ اسی طرح سے اللہ تعالی مدیون کے بارے میں فرماتے ہیں: {وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا} (اللہ سے ڈرے جو

اس کا پروردگار ہے اور اس (حق) میں کوئی کمی نہ کرے۔) (بقرہ: ۲۸۲)
چونکہ اللہ نے اس آیت میں مدیون کو نصیحت کی ہے اور اسے کمی اور نقصان سے منع کیا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ دین کی مقدار کے بارے میں مدیون ہی اصل مانا جائے گا۔

چنانچہ مذکورہ آیت سے پتہ چلتا ہے کہ عورت جب یہ کہے کہ وہ حائضہ ہے، تو پھر اسی کے بیان کو اصل مانا جائے گا اور اس حالت میں اس کے ساتھ وطی حرام ہوگی۔ اور جب عورت یہ کہہ دے کہ وہ پاک ہو چکی ہے، تو اب اس کے شوہر کے لیے اس سے مجامعت حلال ہے۔ اور اسی طرح سے جب معتدہ عورت یہ کہے کہ اس کی عدت ختم ہو چکی ہے، تو اس بیان میں بھی اس کی تصدیق کی جائے گی، اور پھر اس صورت میں زوجین کے درمیان زوجیت کے رشتے کے ختم ہونے کی وجہ سے رجعت کا حق ختم ہو جائے گا۔ گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ حیض کی وجہ سے عدت کا ختم ہونا عورت کی ذات کے ساتھ خاص ہے، اور اس کا علم عورت ہی کے ذریعہ ہو سکتا۔ چنانچہ جب شوہر یہ کہے کہ اگر تجھے حیض آیا تو تجھے طلاق، اور پھر عورت نے کہہ دیا کہ ہاں مجھے حیض آگیا ہے تو اس صورت کا تقاضا یہ ہے کہ وقوعِ طلاق کے باب میں اس کی تصدیق کی جائے جس طرح سے کہ انقضاءِ عدت کے باب میں اس کی تصدیق کی جاتی ہے، اگرچہ شوہر انکار کرے، کیوں کہ یہ چیز عورت کے ساتھ خاص ہے۔ یعنی حیض کے آنے یا نہ آنے کا علم عورت ہی کی جانب سے ہوتا ہے، اور مرد حضرات اس پر مطلع نہیں ہو سکتے ہیں۔

اسی لیے اگر وجودِ حیض کے ساتھ طلاق کو معلق کیا جائے یا اس کے ساتھ غلام

کی آزادی کو معلق کیا جائے اور کوئی عورت کسی دوسری عورت کے بارے میں حیض کی تصدیق کرے، تو پھر اس عورت کا بیان معتبر نہیں ہو گا کیوں کہ عورت کا بیان ان احکام میں حجت قرار دیا گیا ہے جو اس کی ذات کے ساتھ خاص ہیں نہ کہ دوسرے کے ساتھ۔ اسی لیے ہمارے علماء کہتے ہیں کہ اگر شوہر یہ کہے کہ اس کی بیوی نے اسے اپنی عدت کے انقضاء کی خبر دی ہے، اور میں اس کی بہن سے شادی کرنا چاہتا ہوں، تو پھر اس کے لیے یہ جائز ہے؛ لیکن کسی دوسری عورت کے بارے میں عدت کے بقاء سے متعلق اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، اور اس کے حق میں اس کی عدت باقی ہو گی، اور اس کا نفقہ ساقط نہیں ہو گا۔ یہ ایسے ہوا جیسے کہ عورت کہے: مجھے حیض آگیا ہے۔ اس کے دو حکم ہیں: ایک اس صورت میں جو اس کی ذات کے ساتھ خاص ہو، اور اسی سے متعلق ہو، اور وہ ہے خود اس کا طلاق یا انقضاءِ عدت، یا اس طرح کے دوسرے مسائل۔ چنانچہ ان تمام صورتوں میں عورت کے قول کو حجت مانا جائے گا۔ دوسری صورت: وہ ہے جب کہ عورت دوسرے کے طلاق یا غلام کی آزادی کے بارے میں بیان دے۔ اس صورت میں عورت بطور گواہ ہو گی مثلاً اور کسی کے دخولِ دار کی خبر دے، یا زید کے ساتھ کلام کی خبر دے اس صورت میں جب کہ اس کے ساتھ عتق کو معلق کیا گیا ہو، یا طلاق کی خبر دے۔

اس کے بعد امام ابو بکر رازی جصّاصؒ نے متعدد ایسی مثالیں بیان کی ہیں جس میں عورت کے قول کے دو پہلوؤں سے دو احکام ہو سکتے ہیں، اور متعدد نظائر کو بہت عمدہ انداز سے بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد امام جصّاصؒ نے استحسان کی دوسری قسم کے بارے میں کلام کیا ہے اور وہ ہے وجودِ علت کے ساتھ حکم کی تخصیص۔

موصوف نے اس کی ایسی عمدہ تشریح فرمائی ہے جس سے پوراشرحِ صدر ہو جاتا ہے، اور کسی بھی معترض کے لیے شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ استحسان کی اس قسم میں بھی تمام فروعی مسائل میں کوئی نص یا اجماع یا قیاس جیسی مضبوط دلیل ضرور موجود ہوتی ہے جو اس خاص حادثہ میں کسی دوسرے حکم کا تقاضا کرتا ہے۔ اس تفصیل سے اہلِ علم حضرات اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ سکتے ہیں کہ استحسان سے متعلق مخالفین کا نظریہ باوزن نہیں ہے۔

احادیث کی قبولیت کے شرائط

احناف کا مسلک ہے کہ اگر مرسل حدیث کا روای ثقہ ہے، تو حدیثِ مرسل کو حدیثِ مسند ہی کی طرح قبول کیا جائے گا۔ دوسری صدی کی ابتداء تک صحابہ، تابعین، تبع تابعین میں سے جمہورِ فقہاء امتِ محمدیہ اسی رائے کے قائل رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حدیثِ مرسل سے استدلال کو نظر انداز کر دینا۔۔۔خصوصاً کبارِ تابعین کی مراسیل کو۔۔۔احادیث کے ایک بڑے حصہ کو ترک کر دینے کے مرادف ہے۔

صاحبِ سنن، امام ابو داوُدؒ سجستانی اہلِ مکہ کے نام اپنے مکتوب [۲۳]۔۔۔جو کہ علماءِ حدیث کے درمیان معروف اور متداول ہے۔۔۔ میں تحریر فرماتے ہیں: "رہا مسئلہ احادیثِ مرسلہ کا، تو ماضی کے تمام علماء جیسے سفیان ثوریؒ، مالک بن انسؒ،

(۲۳) امام ابوداودؒ کا یہ مکتوب قاہرہ میں مطبعۃ الانوار سے ۱۳۶۹ھ میں امام کوثریؒ کی نہایت علمی اور محرر حواشی کے ساتھ "رسالة أبي داؤد السجستاني في وصف تأليفه لكتاب السنن" کے عنوان کے ساتھ امام کوثریؒ کے دیگر دو رسائل "تعطير الانفاس بذكر سند بن اركماس" اور "الإفصاح عن حكم الإكراه في الطلاق والنكاح" کے ساتھ شائع ہوا۔ اس کے بعد امام کوثریؒ کے تلمیذِ خاص محدث جلیل علامہ عبد الفتاح ابوغدہؒ نے "ثلاث رسائل في علم مصطلح الحديث" کے ضمن میں اس کتاب کی نئی تحقیق کے ساتھ اشاعت کی اور اس ایڈیشن میں امام کوثریؒ کے تمام حواشی کو بھی برقرار رکھا۔

اور اوزاعیؒ وغیرہ اس سے استدلال کیا کرتے تھے؛ یہاں تک کہ امام شافعیؒ آئے اور آپ نے اس پر پہلی بار اعتراض کیا۔"

قبولِ حدیث مرسل پر علماء کا اجماع

امام محمد بن جریر طبریؒ فرماتے ہیں: علماء ہمیشہ سے حدیثِ مرسل پر عمل کرتے رہے ہیں، اور اسے قبول کرتے رہے ہیں، یہاں تک کہ دوسری صدی کے بعد اس طرح کی حدیث کو رد کرنے کا نظریہ پیدا ہوا، جیسا کہ حافظ صلاح الدین علائیؒ "جامع التحصیل في أحکام المراسیل" میں تحریر فرماتے ہیں۔ ابن عبد البرؒ[۲۴] کے کلام سے تو یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ قبولِ حدیث مرسل پر علماء کا اجماع رہا ہے۔

جن لوگوں نے قبولِ حدیثِ مرسل کے نظریہ پر یہ کہتے ہوئے اعتراض کیا ہے کہ سلف میں بہت سے ایسے علماء پائے جاتے ہیں جنھوں نے حدیث کے ارسال کرنے والوں کے ساتھ بہت ہی سخت رویہ اختیار کیا: تو ان کا یہ اعتراض بالکل بے محل ہے؛ کیوں کہ یہ شدت ارسال کرنے والے راوی پر عدمِ اعتماد کی بنیاد پر تھی، جیسا کہ بالکل اسی طرح کی شدت بعض مسند اور متصل راویات کے ناقلین کے بارے میں تھی۔ لہٰذا مسئلہ اسناد اور ارسال کا نہیں رہا؛ بلکہ یہ راوی کی ثقاہت کا مسئلہ ہے۔

---

(۲۴) حدیث مرسل سے متعلق ابن عبد البرؒ کا یہ کلام "التمهيد" ج ۱ ص ۴ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ محدثِ جلیل علامہ عبد الفتاح ابو غدہؒ نے "التمهيد" کے اس مقدمہ کو "خمس رسائل في علوم الحديث" کے ایک نادر مجموعہ میں بھی ایک رسالہ کی شکل میں اپنی تحقیق سے شائع کیا ہے۔

حدیثِ مرسل کو رد کرنے کی وجہ سے اور متقدمین کی مخالفت کی وجہ سے امام شافعیؒ کے اقوال میں شدید اضطراب پایا جاتا ہے۔ کبھی تو آپ یہ فرماتے ہیں کہ حدیثِ مرسل مطلقاً حجت نہیں ہے، سوائے سعید بن المسیبؒ کی مراسیل کے۔ پھر کئی مسائل میں آپ کو مجبوراً سعید بن المسیبؒ کی مراسیل کو بھی رد کرنا پڑا۔ ہم نے اس کی تفصیل "ذیول طبقات الحفاظ" پر اپنے حواشی میں ذکر کی ہے۔(۲۵) پھر کبھی تو آپ دوسرے محدثین کی مرسل روایات کو اخذ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور کبھی تو آپ یہ فرماتے ہیں کہ مرسل حدیث اعتضاد کی صورت میں حجت ہے۔ اسی وجہ سے امام بیہقیؒ جیسے علماء کو اس طرح کے اصولی اضطراب سے گلوخلاصی کے لیے کافی مشکلات اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

خود امام شافعیؒ کی مسند میں سلف کے درمیان معروف عام مفہوم کے اعتبار سے بہت سی مرسل احادیث موجود ہیں۔(۲۶) امام مالکؒ کی موطا میں تقریباً تین سو

(۲۵) محدث جلیل علامہ عبد الفتاح ابو غدۃؒ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں: امام کوثریؒ نے امام شافعیؒ کے اِن مسائل کی جانب حافظ تقی الدین محمد بن فہد مکیؒ کی کتاب "ذیل طبقات الحفاظ" کے حاشیہ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے ترجمہ میں ص ۳۲۹ پر اشارہ فرمایا ہے۔ امام کوثریؒ نے جن مسائل کی جانب اس حاشیہ میں اشارہ فرمایا ہے ..ہیں: دو مد گیہوں سے زکوۃ فطر، طعام حاصل کرنے سے پہلے اس میں بیع تولیت کرنا، معاہد کی دیت، اور اپنے باپ کو مارنے والے کے قتل کا مسئلہ۔

(۲۶) محدث جلیل علامہ عبد الفتاح ابو غدۃؒ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ ان کے استاذ امام کوثریؒ نے اس کی تشریح یہ فرمائی ہے کہ سلف کے درمیان ایک رائج نظریہ یہ تھا کہ ہر وہ حدیث جو متصل الاسناد نہ ہو خواہ ساقط راوی صحابی ہو یا غیر صحابی، اور خواہ ساقط راوی تعداد میں ایک ہو یا دو تو وہ حدیث مرسل ہے۔

مرسل احادیث موجود ہیں۔ یہ مقدار مؤطا کی مسند احادیث سے بھی زیادہ ہے۔ صلاح الدین علائیؒ نے ”جامع التحصیل في أحکام المراسیل“ میں مرسل حدیث سے متعلق جو بحث پیش کی ہے وہ اس سلسلہ میں اہلِ علم کے اخذ ورد سے متعلق صرف ایک مختصر حصہ ہی ہے۔

”شروط الأئمة الخمسة“ پر احقر کی تعلیقات میں تصحیح مرسل کے فقہاء کے قول اور متاخر محدثین کے تضعیفِ مرسل کے قول کے مابین تطبیق کی صورت کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ ساتھ ساتھ احقر نے اسی مقام پر حدیثِ مرسل سے استدلال کو کچھ بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے۔ خود امام بخاریؒ اپنی کتابوں میں اور اسی طرح سے امام مسلمؒ اپنے مقدمہ میں اور ”جزء الدباغ“ میں مراسیل سے استدلال کرتے ہیں۔ اس مقام پر اس موضوع پر اس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

احناف کے نزدیک حدیث سے استدلال کی ایک اہم شرط

احناف کے نزدیک احادیث — مسند ہوں یا مرسل — کو قبول کرنے کی ایک دوسری شرط یہ ہے کہ: حدیث فقہاء کے مجمع علیہ اصول کی مخالفت نہ کرتی ہو۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ فقہاء کرام نے قرآن، سنت، اور صحابہؓ کے قضایا سے نصوص کے موارد کے استیعاب میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے؛ یہاں تک کہ ان حضرات نے انتھک کوششوں کے بعد منصوص علیہ اور متلقی بالقبول نظائر کو کسی ایسی اصل پر منحصر کر دیا ہے جس سے ان مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، اور ایسے قواعد مقرر کر دئے ہیں جس کے تحت سارے نظائر مندرج

ہو جاتے ہوں۔

ان حضرات نے یہی کام دوسرے نظائر کے ساتھ بھی کیا، یہاں تک کہ کافی تفتیش اور تحقیق کے بعد ان کے پاس ایسے اصول اکٹھے ہوگئے جن پر یہ حضرات اخبارِ آحاد کو جانچتے اور پرکھتے ہیں۔ ان تمام قواعد وضوابط کو اصولِ فقہ کی کتابوں میں بالتفصیل بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر احادیث واخبار کے اندر شذوذ اور اصولِ مقررہ سے مخالفت پایا جائے تو پھر اسے ہمارے ایسے اصول سے متصادم قرار دیتے ہیں جو ثبوت کے اعتبار سے احادیث سے زیادہ قوی ہوتے ہیں۔ کیوں کہ ان اصول کو فقہاء نے تمام مواردِ شرع کے تتبع اور استقصاء کے بعد بنایا ہے جو کہ خبرِ متواتر کے قائم مقام ہو جاتے ہیں۔

ترجیح حدیث کے لیے امام طحاویؒ کا انوکھا ضابطہ

امام طحاویؒ اپنی کتابوں میں اس قاعدہ کا کافی لحاظ رکھتے ہیں۔ جو لوگ اس حقیقت کی تہ تک پہونچنے سے قاصر رہتے ہیں وہ یہ سوچتے ہیں کہ امام طحاویؒ بعض روایات کو بعض پر قیاس کی بنیاد پر راجح قرار دے رہے ہیں۔

احادیث واخبار میں شذوذِ معنوی کی یہ پیچیدگی عمومی حالات میں اس لیے پیدا ہوتی ہے کیوں کہ بہت سے رواتِ حدیث روایت بالمعنی کر دیتے ہیں، جو کہ اصلی معنی کو مختل کر دیتا ہے۔ یہ واقعی ایک نہایت دقیق قاعدہ ہے، جس کے ذریعہ ماہرینِ فقہ بہت سی روایات میں کمزوری اور خلل کی نشاندہی کر لیتے ہیں، اور مسائل میں کافی غور وخوض کے بعد درست نتیجہ تک پہونچ جاتے ہیں۔

حدیث سے استدلال کے لیے احناف کے چند دقیق اصول وضوابط

اس کے علاوہ عللِ حدیث سے متعلق احناف کے اور بھی دیگر دقیق اصول وضوابط ہیں جن تک رسائی حاصل کرنا عام رواتِ حدیث کے بس کی بات نہیں ہے۔ احناف کے نزدیک عملِ متوارث کو خاص مقام حاصل ہے جس کے ذریعہ بہت سی احادیث وآثار کو جانچا جاسکتا ہے۔ عملِ متوارث کا تعلق صرف عملِ اہلِ مدینہ کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ بلکہ مدینہ کے علاوہ وہ تمام بلاد وامصار جہاں پر صحابہؓ فروکش ہوئے، اور ان کے تلامذہ، اور پھر تلامذہ کے تلامذہ کا وہاں قیام تھا، وہ سب اس سلسلہ میں برابر ہیں۔ امام مالکؒ کے نام لکھے گئے لیث بن سعدؒ کے خط میں اس حقیقت کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔(۲۷)

---

(۲۷) امام مالکؒ اور لیث بن سعدؒ کے درمیان متعدد فقہی واصولی مباحث سے متعلق مراسلت ہوئی جن میں ان دونوں بزرگوں نے نہایت علمی اور سنجیدہ انداز سے ایک دوسرے کے ساتھ اختلافِ رائے کا اظہار فرمایا ہے اور اپنا مدعا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ خوش قسمتی کی بات ہے کہ اس مراسلت کو تاریخ نے محفوظ بھی کرلیا ہے اور یہ خطوط محدث جلیل علامہ عبدالفتاح ابو غدہ نور اللہ مرقدہ کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ ۱۹۹۶ھ میں دار البشائر بیروت سے شائع ہوئے۔ امام مالکؒ اور لیث بن سعدؒ کے خطوط کے ساتھ دو اور عظیم مجتہدین: امام اعظم ابو حنیفہؒ اور آپ کے معاصر سرزمین بصرہ کے مجتہد مطلق عثمان البتیؒ کے خطوط بھی اس مجموعہ میں شیخؒ نے شامل کئے اور ان تمام خطوط کے مجموعہ کو "نماذج من رسائل الأئمة السلف وأدبهم العلمي" کے تحت شائع فرمایا۔ ان رسائل کے مطالعہ سے جہاں اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف ومجتہدین عظام اجتہاد واستنباط اور تبحر وتعمق کی آخری بلندیوں تک پہونچے ہوئے تھے وہیں اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حضرات اختلاف رائے کے وقت اپنے

امام ابو حنیفہؒ کا ایک اور انتہائی عمدہ ضابطہ یہ ہے کہ راویِ حدیث وقتِ تحمل سے لے کر وقتِ ادا تک حدیث کا تسلسل کے ساتھ حافظ رہا ہو، اور لکھی ہوئی حدیث کا کوئی اعتبار نہیں اگر راوی اپنی مروی حدیث کا حافظ نہیں ہے جیسا کہ قاضی عیاضؒ وغیرہ نے "الإلماع إلى معرفة أصول الرواية و تقييد السماع" وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔

اسی طرح سے امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ روایت بالمعنی صرف فقیہ کے لیے جائز ہے۔

اسی طرح سے احناف کے بعض اہم اصولوں میں سے یہ بھی ہے کہ ثبوت ودلالت میں ادلہ کے مراتب کا لحاظ کیا جائے۔ چنانچہ احناف کے یہاں ثبوت ودلالت میں دلیلِ قطعی کا اپنا مقام ہو گا، اور اسی طرح سے دلیلِ ظنی کا اپنا خاص حکم اور مقام۔ چنانچہ اگر خبرِ واحد کتاب اللہ کے خلاف ہو، تو احناف اسے قبول نہیں کرتے ہیں۔ یہ حضرات خبرِ واحد کے ذریعہ کتاب اللہ کی کسی مجمل آیت کے بیان و تشریح کو مخالفت نہیں گردانتے۔ چنانچہ اخبارِ آحاد کے ذریعہ مجمل کی تشریح ان حضرات کے یہاں کتاب اللہ پر زیادتی کے قبیل سے نہیں ہے، اگرچہ بعض لوگوں نے تعنت میں آکر جہل بالفارق کی بنا پر بیان کو زیادتی بتا کر اس پر اعتراض کیا ہے۔

احناف کے اصولوں میں سے یہ بھی ہے کہ یہ حضرات جن ضروری امور میں عمومِ بلویٰ ہو، اور جس کو بطریقِ شہرت نقل کرنے کے دواعی موجود ہوں تو

مخالفین کے ساتھ نہایت ادب اور سنجیدگی کے ساتھ خطاب کرتے تھے۔

اس خبرِ واحد کو یہ حضرات رد کر دیتے ہیں کیوں کہ فقہاء کے یہاں شواہدِ حال اور حدیث کی شہرت کی شرط اس طرح کے خبر کی تکذیب کرتی ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں: "ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ جب ثقات کسی حدیث کی سند یا متن میں کمی اور زیادتی کے اعتبار سے اختلاف کریں، تو پھر ایسی صورت میں زائد کو ناقص کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔"

اس کے علاوہ احناف کے اور بھی بہت سے سنجیدہ اصول و قواعد ہیں۔ ان تمام اصولوں کے دلائل و براہین کو تفصیل سے اصولِ فقہ کی مفصل کتابوں میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔

جو حضرات ہر کس و ناکس سے احادیث کو قبول کرنے کے قائل ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی پیشین گوئی کر دی تھی کہ ایک دور ایسا آئے گا جس میں مختلف فتنے پھیلنے لگیں گے اور کذب کا دور دورہ ہو گا، تو ظاہر ہے اس طرح کے لوگ احناف کے بارے میں مخالفتِ حدیث کا الزام ٹھونکنے لگتے ہیں، حالانکہ یہ معاملہ نہیں ہے بلکہ احناف تاصیل و تفریع کے لیے احادیث و آثار ہی پر اعتماد کرتے ہیں۔ جو شخص بھی اس موضوع پر اچھی طرح سے بحث و تفتیش کرے گا، اور عمدہ انداز سے عصبیت اور تقلیدِ اعمی سے دور رہتے ہوئے کامیابی سے اصولی موازنہ کرے گا، تو اس پر یہ سارے حقائق اچھی طرح سے واشگاف ہو سکتے ہیں۔

علم وفقہ میں کوفہ کا مقام

سرزمینِ کوفہ کی تاسیس سے لے کر امام ابو حنیفہؒ کے دور تک اس سرزمین کا جائزہ لینا یہاں ضروری محسوس ہوتا ہے تاکہ جو حضرات واقف نہیں ہیں وہ اس حقیقت کو سمجھ سکیں کہ اس شہر کو اُس دور میں دیگر بلاد وامصار پر کیوں تفوق وامتیاز حاصل تھا جس کی وجہ سے یہ شہر ترقی یافتہ فقہ کا مرکز ومنبع بن گیا، جس کے فیوض وبرکات چار کھونٹ میں پھیل گئے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مدنیہ منورہ — زادھا اللہ شرفاً — کو مہبطِ وحی ہونے کا شرف حاصل ہے، اور اس مقدس سرزمین کو تیسرے خلیفۂ راشد کے اخیر دور تک صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد کے مسکن ہونے کا امتیاز بھی حاصل ہے۔ اس کے علاوہ صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد دور دراز ممالک میں جہاد، اشاعتِ دین، اور مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کے لیے پھیل چکی تھی۔

جب سیدنا عمر بن الخطابؓ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی، اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے ذریعہ آپ کے دورِ خلافت میں عراق فتح ہوا، تو اس کے بعد سیدنا عمر بن الخطابؓ نے شہر کوفہ کی تعمیر کا حکم صادر فرمادیا۔ چنانچہ اس کی تعمیر ۱۷ھ میں مکمل ہوئی۔ سیدنا عمر بن الخطابؓ نے اس کے اردگرد عرب کے فصیح قبائل کو آباد کیا، اور عبد اللہ بن مسعودؓ کو اہلِ کوفہ کو قرآن کی تعلیم دینے اور فقہ سکھانے کی غرض سے یہ کہتے ہوئے بھیجا: ”میں نے عبد اللہ کو آپ حضرات

کے لیے اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔"

صحابہ کے درمیان عبد اللہ بن مسعود کا مقام

صحابہ کے درمیان عبد اللہ بن مسعودؓ کا علمی مقام نہایت بلند ہے، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ جیسی شخصیت بھی علم وفقہ میں، اور بصیرت وبالغ النظری میں آپ کے علم سے مستغنی نہیں تھی۔ آپ ہی کے بارے میں سیدنا عمرؓ نے فرمایا تھا: "عبد اللہؓ فقہ سے بھری ہوئی عمارت کے مانند ہیں، اور ایک روایت میں ہے: علم سے بھری ہوئی۔"

آپ ہی کی شانِ مبارک میں حدیث کے مندرجہ ذیل الفاظ وارد ہیں: إني رضيت لأمتي ما رضي لها ابن أم عبد (یعنی میں اپنی امت کے لیے ہر اس چیز سے راضی ہوں، جس سے ابن ام عبد (عبد اللہ بن مسعودؓ) راضی ہیں۔) اسی طرح سے ایک دوسری حدیث میں ہے: مَنْ أَرَادَ أَنْ يَقْرَأَ الْقُرْآنَ غَضًّا كَمَا أُنْزِلَ، فَلْيَقْرَأْهُ عَلَى قِرَاءَةِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ. (جو شخص قرآن کو اس طرح تروتازہ پڑھنا چاہتا ہے جیسا کہ یہ نازل ہوا، تو اسے ابن ام عبد کی قراءت کے مطابق پڑھنا چاہئے۔) اسی طرح سے نبی ﷺ نے فرمایا: قرآن چار لوگوں سے حاصل کرو، اور ان میں سب سے پہلے ابن مسعودؓ کو ذکر فرمایا۔

حضرتِ حذیفہ فرماتے ہیں: كَانَ أَقْرَبَ النَّاسِ هَدْيًا، وَدَلًّا، وَسَمْتًا بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنُ مَسْعُودٍ حَتَّى يَتَوَارَى مِنَّا فِي بَيْتِهِ، وَلَقَدْ عَلِمَ الْمَحْفُوظُونَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ هُوَ أَقْرَبُهُمْ إِلَى اللهِ زُلْفَى. (اخلاق وشمائل، اور عادات واطوار میں ابن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ

سے سب سے زیادہ قریب تھے، یہاں تک کہ وہ ہم سے اوجھل ہو کر آپ ﷺ کے گھر کے اندر بھی جایا کرتے تھے۔ نبی پاک ﷺ کے اصحابؓ جو تحریف ونسیان سے محفوظ ہیں وہ اس حقیقت کو اچھی طرح سے سمجھتے ہیں کہ ام عبد کے بیٹے (یعنی ابن مسعودؓ) اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مقرب تھے۔)(۲۸)

---

(۲۸) صحیحین کی ایک مشہور روایت ہے جس میں خود عبد اللہ بن مسعودؓ تحدیثِ نعمت کے طور پر فرماتے ہیں: وَاللّٰهِ الَّذِي لاَ إِلَهَ غَيْرُهُ، مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ إِلاَّ أَنَا أَعْلَمُ أَيْنَ أُنْزِلَتْ، وَلاَ أُنْزِلَتْ آيَةٌ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ إِلاَّ أَنَا أَعْلَمُ فِيمَ أُنْزِلَتْ، وَلَوْ أَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنِّي بِكِتَابِ اللّٰهِ، تُبَلِّغُهُ الإِبِلُ لَرَكِبْتُ إِلَيْهِ. (قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، قرآن کریم کی کوئی بھی ایسی سورت نہیں ہے جس کے بارے میں میں یہ نہ جانتا ہوں کہ یہ کہاں نازل ہوئی، اور اسی طرح سے قرآن کریم کی کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس کے بارے میں میں یہ نہ جانتا ہوں کہ یہ کس سلسلے میں نازل ہوئی، اور اگر مجھے کسی کے بارے میں یہ پتہ چل جائے کہ اس کے پاس قرآن کریم کا علم مجھ سے زیادہ ہے، اور وہاں سواری پہونچ سکتی ہے تو میں ضرور اس کے پاس سفر کر کے جاؤں گا۔)

اسی طرح سے حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں: "لَقَدْ جَالَسْتُ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدْتُهُمْ كَالإِخَاذِ، فَالإِخَاذُ يَرْوِي الرَّجُلَ، وَالإِخَاذُ يَرْوِي الرَّجُلَيْنِ، وَالإِخَاذُ يَرْوِي الْعَشَرَةَ، وَالإِخَاذُ يَرْوِي الْمِائَةَ، وَالإِخَاذُ لَوْ نَزَلَ بِهِ أَهْلُ الأَرْضِ لأَصْدَرَهُمْ، فَوَجَدْتُ عَبْدَ اللّٰهِ مِنْ ذَلِكَ الإِخَاذِ". (مجھے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی مجالست کا شرف حاصل ہے، اور مجھے ان میں سے ہر ایک صحابی ایک نہر کی طرح لگتا تھا جو ایک آدمی کو بھی سیراب کر سکتی ہے، اور دو آدمی کو بھی، اور تین آدمی کو بھی؛ بلکہ اگر روئے زمین کے سارے لوگ وہاں آجائیں تو سیراب ہو کر واپس جائیں۔ مجھے عبد اللہ بن مسعودؓ بھی اسی نہر جیسے لگتے تھے۔)

حذیفہؓ کی شخصیت نہایت عظیم ہے۔ احادیث کی کتابوں میں ابن مسعودؓ کے فضائل کثرت سے وارد ہیں۔

قیامِ کوفہ کے زمانہ سے لے کر سیدنا عثمان بن عفانؓ کی خلافت کے اخیر تک ابن مسعودؓ جیسی شخصیت نے اہلِ کوفہ کو فقہ اور قرآن کی تعلیم و تدریس کا بیڑا اٹھایا، اور اپنی غیر معمولی علمی توجہات کا مرکز بنایا یہاں تک کہ شہر کوفہ قراء، فقہاء، اور محدثین کا کہکشاں بن گیا حتی کہ بعض ثقہ اہلِ علم (۲۹) نے عبد اللہ بن مسعودؓ اور آپ کے تلامذہ سے علمِ فقہ حاصل کرنے والوں کی تعداد چار ہزار بتائی ہے۔

آپ کے ساتھ سعد بن ابی وقاصؓ، حذیفہؓ، عمارؓ، سلمانؓ، اور ابو موسیٰؓ جیسے عظیم اور برگزیدہ صحابہؓ بھی موجود تھے جو آپ کے مشن میں آپ کا تعاون فرماتے تھے، یہاں تک کہ علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ جب کوفہ منتقل ہوئے، تو آپ نے یہاں موجود فقہاء کی کثرت دیکھ کر بڑی خوشی کا اظہار فرمایا، اور آپ نے تبصرہ فرماتے ہوئے کہا: ''اللہ ابن ام عبد (یعنی ابن مسعودؓ) پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، انھوں نے تو اس بستی کو علم سے بھر دیا ہے۔''بعض روایات میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالبؓ نے یہ فرمایا کہ: ''ابن

---

(۲۹) محدث جلیل علامہ عبد الفتاح ابو غدہ نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ان کے استاذ امام کوثری نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ یہاں بعض ثقہ اہلِ علم سے ان کی مراد ''المبسوط'' کے مصنف مشہور حنفی فقیہ شمس الائمہ امام سرخسیؒ ہیں۔ احقر نے امام سرخسیؒ کا پورا کلام امام کوثریؒ کی کتاب ''غیر مقلدیت-الحاد کا دروازہ '' کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے جسے وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

مسعودؓ کے تلامذہ اس بستی کے چراغ ہیں۔“

باب مدینۃ العلم، سیدنا علی بن ابی طالبؓ نے بھی اس شہر پر عبد اللہ بن مسعودؓ سے کوئی کم توجہ نہیں دی۔ آپ نے بھی یہاں کے لوگوں کے درمیان فقہ و تعلیم کو جاری رکھا یہاں تک کہ جب سیدنا علیؓ نے کوفہ کو دار الخلافت بنالیا، اور بڑے بڑے فقہاءِ صحابہؓ بھی یہیں منتقل ہوگئے، تو اس کی وجہ سے کوفہ نے فقہاء اور محدثین، علومِ قرآنیہ کے حاملین، اور علومِ لغت کے ماہرین کی وجہ سے تمام اسلامی ممالک کے درمیان اپنی ایک امتیازی حیثیت قائم کرلی۔

ہم ایک طرف تو یہ دیکھتے ہیں کہ محمد بن ربیع جیزیؒ، اور سیوطیؒ مصر میں فروکش ہونے والے صرف تقریباً تین سو صحابہؓ ہی کا ذکر کرپاتے ہیں، جب کہ دوسری طرف امام عجلیؒ نے ذکر کیا ہے کہ صرف کوفہ کو تقریباً پندرہ سو صحابہؓ نے اپنا مسکن بنالیا تھا جن میں سے تقریباً ستر صحابہ بدریین میں سے تھے۔ اس کے علاوہ دیگر صحابہ نے بھی یہاں قیام فرمایا اور یہاں کی سرزمین میں علم کی نشر واشاعت کرنے کے بعد دوسرے ممالک میں منتقل ہوگئے۔ اس کے علاوہ عراق کے باقی شہروں میں بھی صحابہ کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔

بعض مورخین نے ربیعہ الرائےؒ اور امام مالکؒ سے اہلِ عراق کی شان میں جو جارحانہ کلام نقل کیا ہے وہ ان دونوں حضرات سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔ اس طرح کی عظیم شخصیتوں کا مقام ایسی بے تکی باتوں سے کہیں بالاتر ہے۔ اس کی مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے ہم نے اشارہ پر ہی اکتفا کیا ہے۔

کوفہ میں مقیم علیؓ اور ابن مسعودؓ کے تلامذہ کی سوانح اگر کسی خاص کتاب میں جمع کی جائے تو ایک بہت بڑا دفتر بن جائے گا۔ اس موضوع پر تصنیف وتالیف

کرنے والے حضرات کے سامنے بہت بڑا میدان ہے۔

عظیم تابعی مسروق بن اجدعؒ فرماتے ہیں: "میں نے رسول اللہ کے صحابہؓ کے علوم کو چھ صحابہؓ میں مجتمع پایا اور وہ ہیں: علیؓ، عبد اللہؓ، عمرؓ، زید بن ثابتؓ، ابو الدرداءؓ، اور ابی بن کعبؓ، اور اس کے بعد ان چھ صحابہؓ کا علم علیؓ اور عبد اللہؓ کے اندر مجتمع پایا۔"

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں: لم يكن أحد له أصحاب معروفون حرروا فتياه ومذاهبه في الفقه غير ابن مسعود، وكان يترك مذهبه وقوله لقول عمر، وكان لا يكاد يخالفه في شيء من مذاهبه، ويرجع من قوله إلى قوله. (ابن مسعودؓ کے علاوہ صحابہؓ میں کوئی ایسا نہیں گذرا ہے جس کے معروف تلامذہ ہوئے ہوں، اور جس کے فقہی مسائل کو منضبط اور مرتب کیا گیا ہو اور ابن مسعودؓ حضرت عمرؓ کی رائے کے سامنے اپنی رائے کو ترک فرمادیتے تھے، اور تقریباً کسی بھی مسئلہ میں حضرت عمرؓ کی مخالفت نہیں فرماتے تھے، اور اپنی رائے سے رجوع فرما کر حضرت عمرؓ کی رائے اختیار فرمایا کرتے تھے۔)

بعض فقہاءِ صحابہ عبد اللہ بن مسعودؓ کے تبحرِ علمی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے تلامذہ کو ابن مسعودؓ کے علمی حلقے سے وابستگی کا مشورہ دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے اپنے شاگرد عمرو بن میمون اودیؒ کو سرزمین کوفہ میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے ملنے اور علمی استفادہ کا مشورہ دیا۔

اس جگہ ہم کوفہ میں موجود حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کے تمام تلامذہ کا ذکر نہیں کرنا چاہتے۔ البتہ بعض اہم شخصیات کا ذکر کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں

ہے، اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:

کوفہ میں حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے کبار تلامذہ

۱- عبیدہ بن قیس سلمانیؒ متوفی ۷۲ھ۔ قاضی شریحؒ کے سامنے جب کوئی پیچیدہ مسئلہ آتا تو سلمانیؒ کو بلا کر ان سے مشورہ فرماتے تھے، جب کہ خود شریح فقہی مسائل اور احکامِ قضاء میں کمالِ مہارت کی وجہ سے معروف ہیں۔

۲- عمرو بن میمون اودیؒ متوفی ۷۴ھ۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے موصوف کا شمار معاذ بن جبلؓ کے قدیم تلامذہ میں ہوتا ہے۔ آپ نہایت معمر تھے اور آپ کا شمار مخضرمین میں ہوتا ہے کیوں کہ آپ نے جاہلیت کا دور بھی پایا، اور کل سو حج اور عمرے کئے۔

۳- زِر بن حُبیشؒ متوفی ۸۲ھ۔ آپ نہایت معمر تھے اور آپ کا شمار بھی مخضرمین میں ہوتا ہے۔ موصوف ایک سو بیس سال کی عمر میں تراویح کی امامت فرماتے تھے، اور آپ ہی عبد اللہ بن مسعودؓ کی قراءت کے راوی ہیں، اور آپ ہی سے عاصمؒ نے قراءت اخذ کیا، اور عاصمؒ سے ابو بکر بن عیاشؒ نے اخذ کیا، اور اس روایت میں فاتحہ اور معوذتان موجود ہیں۔ اس کے علاوہ جو شاذ قسم کی روایات ابن مسعودؓ سے مروی ہیں وہ آپ کی قراءت ہی نہیں ہیں؛ بلکہ یہ ایسے الفاظ ہیں جو تفسیر کے ضمن میں آپ سے مروی ہیں جنھیں بعض لوگوں نے الگ قراءت کے زمرہ میں داخل کر دیا ہے، جیسا کہ امام ابو عبیدؒ کی کتاب "فضائل القرآن" سے ظاہر ہوتا ہے۔ زر بن حبیشؒ عربی زبان میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے یہاں تک کہ ابن مسعودؓ عربی زبان سے متعلق

مسائل آپ سے دریافت کرتے تھے۔

۴- **ابو عبدالرحمن عبداللہ بن حبیب سلمیؒ متوفی ۷۲ھ**۔ موصوف نے قرآن کریم حضرت علیؓ کو سنایا، اور حضرت علیؓ ہی فن قراءت میں آپ کا مرجع ہیں۔ امام ابو نعیمؒ نے اپنی سند سے یہ نقل کیا ہے کہ موصوف چالیس سال تک کوفہ کی مسجد میں اہل کوفہ کو قرآن کی تعلیم کے لیے تندہی کے ساتھ لگے رہے۔ راہِ حق میں شہید ہونے والے نواسے — حسنؓ اور حسینؓ — نے اپنے والد ماجد حضرت علیؓ کے حکم سے انھیں سے قراءت اخذ کی۔ امام عاصمؒ نے سلمیؒ ہی سے علی بن ابی طالبؓ کی قراءت اخذ کی۔

حضرت امام عاصمؒ کی قراءت دونوں ہی طریقوں سے تمام طبقات میں اعلیٰ تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ امام سلمیؒ نے حضرت عثمانؓ اور زید بن ثابتؓ کو بھی قرآن سنایا تھا۔

۵- **سوید بن غفلہ مذحجیؒ**۔ آپ کی ولادت عام الفیل میں ہوئی۔ موصوف کو سیدنا ابو بکرؓ اور بعد کے صحابہؓ کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔ آپ کی وفات کوفہ میں ۸۲ھ میں ہوئی۔

۶- **علقمہ بن قیس نخعیؒ متوفی ۶۲ھ**۔ ابن مسعودؓ علقمہؒ کے بارے میں فرماتے ہیں: ”ہر وہ مسئلہ جو مجھے معلوم ہے وہ علقمہؒ کو بھی معلوم ہے۔“ امام رامہرمزیؒ نے اپنی کتاب ”المحدث الفاصل“ میں قابوسؒ سے نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا: ”آپ رسول اللہ کے صحابہؓ کو چھوڑ کر علقمہؒ کے پاس حصولِ علم کے لیے کیوں جاتے ہیں؟“ اس پر ان کے والد نے جواب دیا: ”میرے بیٹے، میں علقمہؒ کے پاس اس لیے حاضر ہوتا ہوں کیوں کہ

رسول اللہ ﷺ کے اصحابؓ بھی آپ سے مسائل وفتاوی دریافت فرمایا کرتے ہیں۔" علقمہؒ نے ملکِ شام میں ابو الدرداءؓ، اور مدینہؓ میں عمرؓ، زید بن ثابتؓ، اور عائشہؓ سے حصولِ علم کے لیے اسفار کئے۔ آپ تمام اسلامی ممالک کے علوم کے جامع تھے۔

۷- مسروق بن اجدع عبد الرحمان ہمدانیؒ متوفی ۶۳ھ۔ آپ نہایت معمر تھے اور آپ کا شمار مخضرمین میں ہوتا ہے کیوں کہ آپ نے جاہلیت کا دور بھی پایا۔ حصولِ علم کی خاطر آپ نے طویل اسفار کئے۔

۸- اسود بن یزید بن قیس نخعیؒ متوفی ۷۴ھ۔ آپ نہایت معمر تھے اور آپ کا شمار بھی مخضرمین میں ہوتا ہے۔ آپ نے کل اسّی حج اور عمرے کئے۔ آپ رشتے میں حضرت علقمہؒ کے بھتیجے، اور امامِ اہلِ عراق ابراہیم بن یزید نخعیؒ کے ماموں ہوتے ہیں۔

۹- شریح بن حارث کندیؒ۔ آپ نہایت معمر تھے اور آپ کا شمار مخضرمین میں ہوتا ہے۔ سیدنا عمرؓ کے دورِ خلافت میں موصوف کو قضاء کے منصب سے سرفراز کیا گیا۔ حجاج بن یوسف کے دور تک قضاء کے عہدے پر آپ باسٹھ سال تک قائم رہے، اور آپ کی وفات ۷۰ھ میں ہوئی۔ سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں: "شریح، آپ اٹھ کھڑے ہوں، اور قضاء کے عہدے کو سنبھالیں کیوں کہ آپ سرزمینِ عرب میں سب سے بڑے قاضی ہیں۔" ذرا سوچئے اُس قاضی کا مقام کتنا بلند ہوگا جو خلفاءِ راشدین کے دور میں قضاء کے منصب کے لیے منتخب کیا گیا ہو اور ایک لمبے عرصے تک خلافتِ بنو امیہ میں بھی اسی منصب کی زینت بنا رہا ہو۔ قاضی

شریحؒ نے اپنے دقیق مسائل قضاء کے ذریعہ اہل کوفہ کی فقہ کو قوت اور غذا فراہم کی، اور عملی فقہ کے لیے یہاں کے مجتہدین کو ٹریننگ اور تربیت بہم پہونچائی۔

۱۰- عبدالرحمن بن ابی لیلیٰؒ۔ موصوف کو ایک سو بیس صحابہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہے۔ آپ کو قضاء کے عہدے پر سرفراز کیا گیا۔ موصوف نے ۸۳ھ میں ابن اشعثؒ کے ساتھ غرق ہو کر جامِ شہادت نوش کیا۔

۱۱-عمرو بن شرحبیل ہمدانیؒ
۱۲-مرہ بن شراحیلؒ
۱۳-زید بن صوحانؒ
۱۴-حارث بن قیس جعفیؒ
۱۵-عبدالرحمن بن اسود نخعیؒ
۱۶-عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؒ
۱۷-خیثمہ بن عبدالرحمنؒ
۱۸-سلمہ بن صہیبؒ
۱۹-مالک بن عامرؒ
۲۰-عبداللہ بن سخبرہؒ
۲۱-خلاس بن عمروؒ
۲۲-ابووائل شقیق بن سلمہؒ
۲۳-عبید بن نضلہؒ
۲۴-ربیع بن خیثمؒ

۲۵-عتبہ بن فرقدؒ
۲۶-صلہ بن زفرؒ
۲۷-ھمام بن حارثؒ
۲۸-حارث بن سویدؒ
۲۹-زاذان ابو عمرو کندیؒ
۳۰-زید بن وہبؒ
۳۱-زیاد بن جریرؒ
۳۲-کردوس بن ھانیؒ
۳۳-یزید بن معاویہ نخعیؒ اور اس کے علاوہ ان کے دیگر بہت سے تلامذہ۔

مذکورہ بالا شخصیات میں سے اکثر حضرات کو حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سے ملاقات اور اخذِ علم کا شرف حاصل ہے۔ یہ حضرات صحابہؓ کی موجودگی ہی میں سرزمینِ کوفہ میں فتاویٰ صادر فرمایا کرتے تھے۔ اگر ان حضرات کی حدیث یا فقہ کو کسی مجنوں پر پڑھ کر پھونک دیا جائے، تو وہ اپنے جنون سے افاقہ پا جائے گا۔ بڑے نادان ہیں وہ لوگ جو ان بزرگوں کی فقہ اور حدیث کو ہدفِ ملامت بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس کے بعد کا طبقہ ان حضراتِ علماء کا ہے جو براہِ راست سیدنا علیؓ اور سیدنا ابن مسعودؓ کی صحبت سے فیضیاب نہ ہو سکے؛ لیکن ان دونوں بزرگوں کے تلامذہ سے فقہی استفادہ کیا، اور اس کے ساتھ دیگر بلاد وامصار کے علوم کو بھی جمع کیا۔ ابن حزمؒ نے ان میں سے چند ہی لوگوں کا صرف تذکرہ کیا ہے، جب کہ ان حضرات کی تعداد بہت زیادہ ہے، اور یہ شخصیات کافی شہرت بھی رکھتی

ہیں۔

ہم یہاں ان تمام حضرات کا نام ذکر نہیں کرنا چاہتے ہیں۔ تاہم ہم قارئین کو اجمالی طور پر فقہاء اور قراء کی اس بڑی تعداد کی جانب متوجہ کرنا چاہیں گے جنھوں نے ۸۳ھ میں دیر جماجم میں حجاج بن یوسف ثقفی کے خلاف عبد الرحمن بن محمد بن اشعثؒ کے ساتھ خروج اختیار کیا، جن کا تعلق خاص طور پر دونوں طبقوں سے تھا۔ خروج کرنے والوں میں ابو البختری سعید بن فیروزؒ، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰؒ، شعبی اور سعید بن جبیرؒ جیسی عظیم شخصیات تھیں۔ امام جصاص رازیؒ "احکام القرآن" ج ۱ ص ۷۱ میں فرماتے ہیں: "حجاج بن یوسف کے خلاف چار ہزار علماء نے خروج کیا، اور ان تمام حضرات کا شمار خیارِ تابعین، اور جلیل القدر فقہاء میں ہوتا تھا، اور ان سارے ہی علماء نے عبد الرحمن بن محمد بن اشعثؒ کے ساتھ مل کر حجاج سے قتال کیا۔"

اگر آپ اس دور کے دیگر اسلامی ممالک کے علماء پر نظر ڈالیں گے، تو آپ کو ایسے حضرات نظر آئیں گے جو حکام کے ہدایا و تحائف قبول کر لیتے اور امراء کی ہاں میں ہاں ملاتے، اور اپنے والدین کے ساتھ بدسلوکی تک کرنے سے اعراض نہ کرتے۔ ان میں آپ کو بہت ہی کم ایسے لوگ نظر آئیں گے جو اہل کوفہ کی طرح ظلم واستبداد سے ڈٹ کر مقابلہ آرائی کرنے کی سوچتے اور راہِ حق میں ہر طرح کی قربانی پیش کرنے کے لیے سینہ سپر رہتے۔ ان تمام تفاصیل سے دین واخلاق، فقہ وحدیث، کتاب وسنت اور عربی زبان کے میدان میں سرزمین کوفہ کا مقام انصاف پسند قارئین کے سامنے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے، اور پھر انصاف کے آئینہ میں یہاں کے علماء اور دیگر اسلامی

ممالک کے علماء کے درمیان موازنہ کرسکتے ہیں۔

یہ وہ امتیازات ہیں جن کی وجہ سے کوفہ صدیوں تک ایک بے مثال علمی مرکز مانا جاتا رہا ہے۔ اگر کوفہ کو یہ مقام حاصل نہ ہوتا، تو کوفہ اہلِ دین حضرات کا مرکز نہ بن پاتا جہاں بنو امیہ کی حکومت میں ظلم وزیادتی کے ایام میں مظلومین بھاگ کر آتے اور پناہ لیتے۔

تن تنہا سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے علوم کا احاطہ کرلیا تھا یہاں تک کہ ایک بار جب اہلِ کوفہ ابن عباسؓ کے پاس فتوی طلب کرنے کے لیے آئے، تو آپ نے فرمایا: "کیا ابن ام الدھماء (یعنی سعید بن جبیرؒ) تمھارے درمیان نہیں ہیں؟" گویا حضرت ابن عباسؓ اہلِ کوفہ کو سعید بن جبیرؒ کی خداداد وسعتِ علمی کے بارے میں بتانا چاہ رہے تھے یہاں تک کہ آپ کا علم کوفہ کے باشندوں کو ابن عباسؓ جیسے صحابی کے علم سے مستغنی کردیتا تھا۔

ابراہیم نخعیؒ کا بلند مقام

ابراہیم بن یزید نخعیؒ کا تعلق بھی اسی طبقہ سے ہے۔ موصوف نے حضرت علقمہؒ کے یہاں تفقہ حاصل کرنے کے بعد دونوں ہی طبقوں سے علوم کے خزانوں کو اکٹھا کیا۔ ابو نعیمؒ فرماتے ہیں: "ابراہیم نخعیؒ نے ابو سعید خدریؓ، حضرت عائشہؓ اور ان کے بعد کے صحابہؓ سے ملاقات کی۔"

اسی طبقہ سے تعلق رکھنے والی ایک شخصیت عامر بن شراحیل شعبیؒ کی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ایک بار جب موصوف کو لوگوں کے سامنے مغازی کا ذکر کرتے ہوئے دیکھا تو تعریف کرتے ہوئے فرمایا: "یہ یعنی عامر مجھ سے

زیادہ مغازی کا علم رکھتے ہیں، باوجود اس کے کہ میں ان غزوات میں بنفس نفیس رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہا ہوں۔" عامر بن شراحیلؒ جیسی شخصیت ابراہیم نخعیؒ کو اس دور کے تمام علماء پر ترجیح دیتی تھی۔ ۹۶ھ میں جب موصوف کی وفات ہوئی، تو آپ کے جنازہ میں شرکت کرنے والے ایک شخص سے شعبیؒ نے فرمایا: "تم نے آج روئے زمین کے سب سے بڑے فقیہ کو سپردِ خاک کر دیا ہے۔" اس شخص نے پوچھا: "حسن بصریؒ سے بھی زیادہ فقیہ؟" اس پر عامر شعبیؒ نے جواب دیا: "حسن بصریؒ سے بھی زیادہ فقیہ، اور تمام اہلِ بصرہ، واہلِ کوفہ، واہلِ شام وحجاز میں بھی ابراہیم سے زیادہ بڑا فقیہ کوئی نہیں تھا۔"

ناقدینِ حدیث نے امام ابراہیم نخعیؒ کی مراسیل کو صحیح گردانا ہے؛ بلکہ محدثین آپ کی مراسیل کو آپ کی مسانید پر بھی ترجیح دیتے تھے جیسا کہ امام ابن عبد البرؒ نے "التمہید" ج ۱ ص ۳۸ میں نقل کیا ہے۔ حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں: "جب بھی میں نے ابراہیمؒ کے سامنے کوئی حدیث پیش کی، تو مجھے اس حدیث کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات ان کے پاس ضرور ملی۔" نیز امام اعمشؒ مزید فرماتے ہیں: "ابراہیم نخعیؒ فنِ حدیث کے صیرفی یعنی پارکھی تھے۔ اپنے مشائخ سے حدیث سننے کے بعد میں انھیں ابراہیمؒ کے سامنے سمجھنے کے لیے پیش کیا کرتا تھا۔"

اسماعیل بن ابی خالدؒ فرماتے ہیں: "شعبیؒ، ابوالضحیٰؒ، ابراہیمؒ اور ہمارے دیگر اصحاب مسجد میں جمع ہو کر حدیث کا باہم مذاکرہ کرتے؛ لیکن دریں اثناء جب ان حضرات کے پاس کوئی ایسا استفتاء آتا جس کا جواب ان سے نہ بن پاتا، تو پھر

ان کی نگاہیں ابراہیم نخعیؒ کی تلاش میں اٹھ جاتیں۔" امام شعبیؒ ابراہیمؒ کے بارے میں فرماتے ہیں: "ان کی نشو ونماء ایک فقہی خانوادہ میں ہوئی جہاں سے موصوف نے فقہ میں مہارت حاصل کی، اور اس کے بعد ہم لوگوں کی مجالس میں بیٹھ کر ہماری صاف ستھری حدیثیں لے لیں اور انھیں اپنے فقہی ذخیرے میں ضم کرلیا۔ ابراہیمؒ کی موت ایک انسان کی نہیں بلکہ علم کی موت ہے۔ ابراہیمؒ کے بعد ان کی جگہ لینے والا ان جیسا کوئی نہیں ہے۔"

سعید بن جبیرؒ نے فرمایا: "کیا تم مجھ سے فتوی طلب کررہے ہو جب کہ ابراہیمؒ تمھارے درمیان موجود ہیں؟" ابونعیمؒ نے "حلية الأولياء" میں امام اعمشؒ سے نقل کیا ہے کہ موصوف نے فرمایا: "میں نے ابراہیمؒ کو قیاس کی بنیاد پر کبھی بھی فتوی دیتے ہوئے نہیں دیکھا۔" اسی طرح کی روایت ابن متؒ کی کتاب "ذم الكلام" میں بھی موجود ہے۔ اس روایت کی بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ کی "كتاب الآثار"، اور امام محمد بن الحسنؒ کی "كتاب الآثار" اور ابن ابی شیبہؒ کی "المصنف" وغیرہ میں ابوابِ فقہ میں جو اقوال وآراء ابراہیمؒ سے منقول ہیں وہ کسی نہ کسی اثر یا حدیث سے ماخوذ ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابراہیمؒ روایت اور رائے یعنی قیاس دونوں ہی سے استدلال کے قائل تھے۔ چنانچہ جب وہ حدیث روایت فرماتے ہیں تو اس باب میں حجت سمجھے جاتے ہیں، اور جب قیاس واجتہاد کی باری آتی ہے تو موصوف اس میدان کے بحرِ ناپیدا کنار مانے جاتے ہیں کیوں کے اجتہاد واستنباط کے تمام آلات وشرائط موصوف کی ذات میں بدرجۂ اتم موجود تھے۔ حافظ ابونعیمؒ نے اپنی سند سے موصوف کا ایک جملہ نقل کیا ہے: لا يَسْتَقِيمُ رَأْيٌ إلا

بِرِوَايَةٍ، وَلا رِوَايَةٌ إلا بِرَأيٍ (یعنی قیاس بغیر حدیث کے اور حدیث بغیر قیاس کے درست نہیں ہوسکتے ہیں۔)

خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب "الفقيه و المتفقه" میں نقل کیا ہے کہ حسن بن عبید اللہ نخعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیمؒ سے پوچھا کہ کیا وہ تمام مسائل وفتاوی جسے آپ صادر فرماتے ہیں احادیث اور روایات پر مبنی ہیں؟ ابراہیمؒ نے جواب دیا: "نہیں۔" میں نے پھر سوال کرتے ہوئے پوچھا: "تو کیا پھر آپ بغیر احادیث اور روایات کے فتاوی صادر فرمادیتے ہیں؟" اس پر ابراہیمؒ نے جواب دیا: "جب مسائل سے متعلق روایات دستیاب ہوتی ہیں تو فبہا ونعم، ورنہ ایسی صورت میں جب کہ کسی مسئلے سے متعلق کوئی روایت منقول نہیں ہوتی ہے، تو پھر دیگر روایات پر قیاس کر کے اس مسئلے کا جواب دیتا ہوں۔"

صحیح بات تو یہ ہے کہ فقہ اسی چیز کا نام ہے۔

حماد بن ابی سلیمانؒ

امام ابوحنیفہؒ کے شیخ حماد بن ابی سلیمانؒ نے اتنے عظیم امام اور جلیل القدر شخصیت کے یہاں فقہ میں مہارت حاصل کی۔ چنانچہ حمادؒ ہمیشہ ابراہیمؒ کی صحبت اور مجالست میں وقت گذارتے۔ ابوالشیخؒ نے "تاريخ أصبهان" میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بار ابراہیم نخعیؒ نے حمادؒ کو ایک تھیلا دے کر ایک درہم کے عوض گوشت خریدنے کے لیے بھیجا۔ اسی دوران راستے میں حمادؒ کے والد ان سے ملے اور حمادؒ کے ہاتھ میں تھیلا دیکھا۔ اس پر موصوف کے والد نے ڈانٹا اور ڈپٹا، اور ہاتھ سے چھین کر تھیلا پھینک دیا۔ جب ابراہیمؒ کی

وفات ہوئی، تو محدثین اور خراسانی طلبہ حمادؒ کے والد مسلم بن زیدؒ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹانے کے لیے آئے۔ مسلم بن حمادؒ ہاتھ میں چراغ لے کر باہر نکلے۔ ان طلبہ نے کہا: ''ہمیں آپ سے مطلب نہیں ہے، ہم تو آپ کے بیٹے کی تلاش میں نکلے ہیں۔'' چنانچہ مسلم اندر گئے اور کہا: ''میرے بیٹے، ان طلبہ کے پاس جاؤ۔ آج مجھے اندازہ ہوگیا ہے کہ اُسی تھیلی کی بدولت یہ حضرات تم سے ملاقات اور اخذِ علم کے لیے آئے ہیں۔''

نیز ابوالشیخؒ نے حماد بن ابی سلیمانؒ کی بہن عاتکہؒ سے روایت کیا ہے کہ: ابو حنیفہؒ ہمارے دروازے کے سامنے روئی دھنتے تھے، اور ہمارے گھر کے لیے دودھ اور پرچون وغیرہ روزمرہ کی چیزیں خرید کر لاتے تھے۔ جب کوئی شخص حمادؒ سے مسئلہ پوچھنے کے لیے آتا، تو امام ابوحنیفہؒ باہر ہی سائل سے اس کا مسئلہ دریافت کرنے کے بعد، اس کا جواب بھی دے دیتے۔ اس کے بعد سائل سے کچھ دیر ٹھہرنے کی درخواست کرتے۔ اس کے بعد امام ابوحنیفہؒ اندر حمادؒ کے پاس آتے، اور ان کو بتاتے کہ ایک آدمی نے ایک سوال کیا ہے اور میں نے اس کا یہ جواب دیا ہے۔ آپ کی رائے کیا ہے؟ اس پر حمادؒ جواب میں کہتے: مجھ سے ایک حدیث اس طرح بیان کی گئی ہے، اور میرے اساتذہ کی یہ رائے ہے، اور ابراہیمؒ کا یہ خیال تھا۔ ابوحنیفہؒ پوچھتے: کیا میں یہ سب آپ سے روایت کرسکتا ہوں؟ حمادؒ ہاں میں جواب دیتے، اور ابوحنیفہؒ باہر نکل کر سائل کو حمادؒ کی رائے بتادیتے۔

یہ تھا ہمارے متقدمین کا حال کہ یہ حضرات علمی استفادہ کے لیے اپنے مشائخ کی صحبت میں اپنی زندگیاں کھپادیتے تھے، اور دورانِ طالب علمی ایک

دوسرے کی خدمت کرتے جس کی بنا پر یہ حضرات حقیقی علم کی برکت سے مالا مال ہوگئے۔

ابن عدیؒ نے "الكامل في ضعفاء الرجال" میں حماد بن ابی سلیمانؒ کا قول نقل کیا ہے کہ: "میری ملاقات، عطاءؒ، طاوسؒ اور مجاہدؒ سے ہو چکی ہے، اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ کوفہ کے بچے بھی ان سے زیادہ فقیہ ہیں۔" حماد بن ابی سلیمانؒ نے یہ تبصرہ تحدیثِ نعمت کے طور پر کیا ہے، اور ساتھ ساتھ اس کے ذریعہ ان محدثین پر رد بھی کر دیا جو فقہ میں تہی دامن ہونے کے باوجود کوفہ کی مسجد میں بیٹھ کر غلط سلط فتاوی ٹھونکتے، اور یہ محدثین یہ بھی کہتے کہ شاید یہاں کچھ ایسے بچے ہیں جو ان فتاوی میں ہماری مخالفت کریں۔

اگر راوی عمر دراز ہے لیکن درایت سے محروم ہے تو پھر اس کی روایت کا کیا فائدہ؟ اوپر مذکور بچوں سے مراد کوفہ کے وہ اہلِ علم حضرات ہیں جو اس وقت عمر رسیدہ نہیں تھے جیسے حمادؒ اور آپ کے رفقاء وغیرہ۔ حمادؒ ان تمام حضرات پر فقہ میں فائق تھے، اور اسی طرح سے ان کے خاص تلامذہ بھی ان حضرات سے فقہ میں نہایت ممتاز تھے۔ اگر کسی کو شک ہے تو وہ دونوں گروہوں کی متوارث فقہ کا باہم موازنہ کر سکتا ہے اور اس کے بعد اپنی مرضی کے مطابق خود فیصلہ کر سکتا ہے۔

اسی طرح سے ابن عدیؒ نے "الكامل في ضعفاء الرجال" میں عبد الملک بن ایاس شیبانیؒ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ابراہیمؒ سے پوچھا کہ ان کی وفات کے بعد لوگ کس سے مسائل پوچھیں۔ ابراہیمؒ نے جواب میں حمادؒ کا نام لیا۔ حماد بن ابی سلیمانؒ کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی۔

عقیلیؒ نے محمد بن سلیمان اصبہانیؒ سے نقل کیا ہے کہ جب ابراہیمؒ کی وفات ہوئی، تو اہلِ کوفہ میں سے پانچ علماء ــــ جن میں عمر بن قیس ماصرؒ اور ابو حنیفہؒ بھی شامل تھے ـــــ نے چالیس ہزار درہم جمع کیا، اور یہ حضرات رقم لے کر حکم بن عتیبہؒ کی خدمت میں پہونچے، اور ان سے کہا: ہم نے چالیس ہزار درہم جمع کیا ہے جسے ہم آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں، اور ہماری خواہش ہے کہ آپ ہمارے صدر بن جائیں۔۔۔ لیکن حکم بن عتیبہؒ نے انکار فرمادیا۔ اس کے بعد یہ حضرات حماد بن ابی سلیمانؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے منصبِ صدارت قبول کرنے کی درخواست کی، اور حمادؒ نے درخواست قبول کرلی۔

سرزمینِ کوفہ کا غیر معمولی علمی مقام

اس طبقے کے علماء کے واقعات کے بارے میں اس مختصر تحریر پر اکتفا کرنا چاہوں گا کیوں کہ اس طبقہ میں اتنے علماء اور ماہرین گذرے ہیں کہ ان کے احاطہ کے لیے طویل تفصیل درکار ہے۔ یہاں ہم دو ایسے واقعات نقل کرنا چاہیں گے جس سے اس طبقہ میں موجود علماءِ کوفہ کی وسعتِ روایت اور کثرتِ درایت کا اندازہ لگایا جاسکے۔

امام رامہرمزیؒ نے اپنی کتاب "المحدث الفاصل" میں انس بن سیرینؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: "جب میں کوفہ آیا، تو میں نے دیکھا کہ چار ہزار لوگ علمِ حدیث کی طلب میں لگے ہوئے ہیں، اور چار سو فقہاء تیار ہو چکے ہیں۔" کوفہ کے علاوہ کس اسلامی ملک میں محدثین اور فقہاء کی اتنی بڑی تعداد آپ کو نظر آئے گی؟ اس روایت سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کی فقیہ کی ذمہ

داری زیادہ مشکل ہے، اسی بنا پر فقہاء کی تعداد محدثین کی تعداد کے بالمقابل ہمیشہ کم رہے گی۔

امام رامہرمزیؒ نے مذکور بن سلیمان واسطیؒ سے نقل کیا ہے کہ ایک بار عفانؒ نے بعض طالبینِ حدیث کو ایک دوسرے سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ انھوں نے فلاں اور فلاں شیخ کی کتاب لکھ لی ہے۔ عفانؒ نے اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے کہا: مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اس طرح کے لوگ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ (۳۰) ہم ایک شیخ کے پاس جاتے اور ان سے ان تمام احادیث کا سماع کرتے جو دوسرے شیخ کے پاس نہ ہوتیں اور دوسرے کے پاس جاتے اور اس سے ان تمام احادیث کا سماع کرتے جو پہلے کے پاس نہ ہوتیں۔ جب ہم کوفہ آئے تو ہم نے یہاں چار ماہ قیام کیا، اگر ہم چاہتے تو ایک لاکھ حدیثیں لکھ سکتے تھے؛ لیکن ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثیں لکھیں اور ہم نے صرف انھیں احادیث کو قبول کیا جن کو امت میں تلقی بالقبول حاصل ہے۔ لیکن شریک نے ہمیں اپنی احادیث روایت کرنے سے منع کر دیا اور میں نے کوفہ میں کسی کو غلط عربی بولنے والا یا ضبط واتقان کے معاملہ میں کسی کو متساہل نہیں پایا۔''

---

(۳۰) محدثِ جلیل علامہ عبد الفتاح ابو غدہ نور اللہ مرقدہ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں: علماءِ سلف سے بہت سے ایسے اقوال منقول ہیں جن میں انھوں نے محض روایت کی تکثیر اور شیوخ اور طرقِ حدیث کی تعداد میں اضافہ کی دھن میں لگے رہنے والے ایسے محدثین کی مذمت کی ہے جو دیگر ضروری علوم کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ حسن بصریؒ اس طرح کے رویہ کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''علماء کا مقصد علمی گہرائی ہے جب کہ سفہاء کا مقصد محض روایت ہے۔'' ملاحظہ فرمائیں: خطیب بغدادیؒ کی کتاب ''اقتضاء العلم العمل'' ص ۳۵۔

کیا آپ کوئی ایسا شہر بطورِ مثال پیش کرسکتے ہیں جہاں عفانؒ (۳۱) جیسا حافظِ حدیث چار ماہ میں پچاس ہزار حدیثیں لکھ سکے اور وہ بھی پوری چھان پھٹک کے بعد؟ مسندِ احمد میں موجود احادیث کی تعداد اس تعداد سے کہیں کم ہے۔ کیا اس طرح کے شہر کو حدیث کے باب میں کم تر قرار دیا جاسکتا ہے؟ قابلِ تنبیہ بات یہ ہے کہ حرمین شریفین کی احادیث ان طبقات میں تمام اسلامی ممالک میں مشترک تھیں اور ہر جگہ پھیلی ہوئی تھیں کیوں کہ علماء کثرت سے حج کیا کرتے تھے۔ کتنے ایسے علماء ہوئے ہیں جنھوں نے چالیس بار حج اور عمرہ کیا بلکہ اس سے بھی زیادہ بار زیارتِ حرمین کا شرف حاصل کیا۔ خود امام ابو حنیفہؒ نے پچپن حج کئے۔ امام بخاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے طلبِ حدیث کی خاطر کوفہ کا اتنی بار چکر لگایا ہے جو شمار سے بالاتر ہے۔ اس سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کوفہ کتنا اہم علمی مرکز تھا۔

---

(۳۱) محدث جلیل علامہ عبدالفتاح ابو غدہ نور اللہ مرقدہ نے اپنے حاشیہ میں علامہ محمد یوسف بنوریؒ سے نقل کیا ہے کہ: حافظ عفان بن مسلم انصاری بصریؒ بخاریؒ احمدؒ اور سحاقؒ جیسے دیگر محدثین کے شیخ ہیں۔ امام علی بن المدینیؒ جیسی شخصیت آپ کے بارے میں فرماتی ہے کہ عفانؒ کو جب کسی حدیث کے ایک حرف میں بھی شک ہو جاتا، تو وہ اس پوری حدیث کو رد فرمادیتے جیسا کہ "تقريب التهذيب" میں نقل کیا گیا ہے۔ امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ عفانؒ ایک ثقہ امام تھے، متقن اور قوی حدیثوں والے تھے۔ ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ آپ کی شخصیت کسی بھی تبصرے سے بالاتر ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: "خلاصة تذهيب تهذيب الكمال".

سرزمینِ کوفہ کا لسانی اور ادبی امتیاز

مذکورہ روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ علماءِ کوفہ لسانی اغلاط سے پاک تھے جب کہ اس دور میں حجاز، شام اور مصر میں اس طرح کی غلطیوں کی بھرمار تھی۔ امام ابن فارسؒ کے کلام میں آپ کو امام مالکؒ کی جانب سے دفاع مل جائے گا۔ اسی طرح سے ''حلية الأولياء'' میں ربیعہؒ کے بارے میں لیث کا کلام دیکھ سکتے ہے، اور نافع کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کا بیان ابن ابی العوامؒ کی کتاب میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ سے جو نحوی طور پر متنازع فیہ کلمہ [۴۲] مروی ہے اس کی سند متصل

---

(۴۲) وہ خاص کلمہ جس کی جانب امام کوثریؒ یہاں اشارہ فرمانا چاہ رہے ہیں مورخ ابن خلکانؒ اور دیگر تواریخ وتراجم کی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ابن خلکانؒ اپنی کتاب ''وفيات الأعيان'' ج۵ ص۴۳ میں فرماتے ہیں: أن أبا عمرو بن العلاء المقرىء النحوي سأل (أبا حنيفة) عن القتل بالمثل: هل يوجب القود أم لا؟ فقال: لا، كما هو قاعدة مذهبه خلافاً للإمام الشافعي رضي الله عنه، فقال له أبو عمرو: ولو قتله بحجر المنجنيق؟ فقال: ولو قتله بأبا قبيس. (یعنی ابو عمرو بن العلا نحوی و قاریؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے قتل بالمثل کے بارے میں سوال کیا کہ ایا اس میں قود واجب ہوتا ہے یا نہیں۔ ابو حنیفہ نے اپنے اصول کے مطابق فرمایا کہ واجب نہیں ہے جب کہ امام شافعیؒ کے یہاں واجب ہے۔ ابو عمروؒ نے فرمایا: کیا اس صورت میں بھی واجب نہیں ہے جب کہ وہ منجنیق کے پتھر سے مار دے؟ ابو حنیفہؒ نے جواب دیا کہ اگر چہ وہ ابو قبیس پہاڑ ہی سے اسے کیوں نہ مار دے۔)

مذکورہ عبارت میں امام ابو حنیفہؒ نے ابی قبیس کے بجائے حرف جار ہوتے ہوئے ابا قبیس نصبی حالت میں استعمال کیا ہے جو کہ عام قاعدہ کے خلاف ہے۔ اس عبارت کو لے کر بہت سے لوگوں نے امام ابو حنیفہؒ کی نحوی صلاحیت پر اعتراض کیا ہے اور آپ کو ضعیف فی النحو

نہیں ہے، اور اگر اس روایت کو ابو حنیفہؒ سے ثابت شدہ تسلیم بھی کر لیا جائے، تو عربی زبان میں اس کی واضح تاویل موجود ہے۔ امام مبرد نحویؒ نے اپنی کتاب "اللحنة" میں مختلف ممالک کے لسانی اغلاط میں مبتلاء علماء کے واقعات ذکر کئے ہیں جب کہ اہلِ عراق کی کوئی ایسی غلطی ذکر نہیں کی ہے۔ مسعود بن شیبہؒ نے اس طرح کے متعدد واقعات "التعلیم" میں ذکر کئے ہیں۔

اہلِ مصر قبطیوں کے ساتھ رہتے تھے، اور اہلِ شام رومیوں کے ساتھ جب کہ حجاز میں ہر طرح کے عجمیوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا، خاص طور پر کبارِ تابعین کے دور کے بعد، اور ان ممالک میں لغت کے ایسے ائمہ بھی موجود نہ تھے جو عربی زبان کو لسانی اغلاط اور دخیل کلمات ولہجات سے محفوظ رکھ سکیں۔

اس کے برخلاف کوفہ اور بصرہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اسی سرزمین میں عربی زبان کی تدوین عمل میں آئی۔ اہلِ کوفہ نے عربی زبان کی تدوین کے وقت نزولِ وحی کے دور میں موجود تمام عربی لہجات کا خیال رکھا تاکہ اس کے

قرار دیا ہے۔ امام غزالیؒ جیسے فقیہ واصولی اور قاضی ابن خلکانؒ جیسے مورخ بھی اس پروپیگنڈے کی زد میں آگئے اور ان حضرات نے بھی امام ابو حنیفہؒ کو ضعیف فی النحو قرار دینے کی کوشش کی ہے جو کہ بہر صورت ناقابلِ قبول ہے۔ امام کوثریؒ یہاں یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں ذکر کی جانے والی یہ روایت منقطع الاسناد ہے جس سے اس واقعہ کا ضعیف اور ناقابلِ استدلال ہونا لازم آتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حالت جر میں بھی ابا قبیس کہنے کی گنجائش ہے جیسا کہ عرب کے بہت سے فصیح قبائل میں ایسی حالت میں یہی اعراب رائج تھا۔ لہذا کسی بھی صورت میں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ نیز امام قدوریؒ جیسے کبارِ ائمہ نے بھی امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں اس روایت کو غلط قرار دیا ہے۔

ذریعہ قرآن وحدیث کے اسرار ورموز اور مختلف قراءتوں کی فہم میں مدد ملے۔ اس کے برعکس، اہل بصرہ نے اپنے لیے ایک ایسا عربی لہجہ منتخب کیا جو مستقبل کی زبان بننے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں ہی نظریے اپنی جگہ پر اہم ہیں اور ایک دوسرے سے مستغنی نہیں کرسکتے ہیں۔

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ سرزمینِ کوفہ فقہ، حدیث اور لغت میں مرکزی مقام کی حامل رہی ہے۔ رہا مسئلہ قرآنی علوم کا، تو قراءِ سبعہ میں سے تین قراء صرف کوفہ سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ ہیں: عاصمؒ، حمزہؒ اور کسائیؒ، اور قراءِ عشرہ میں سے دسویں قاری خلفؒ بھی یہیں سے تعلق رکھتے تھے۔ عاصمؒ کی قراءت کے بارے میں کچھ تفصیل پہلے ہی گذر چکی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا فقہی مزاج واسلوب

یہاں پر میں امام ابو حنیفہؒ کی سیرت پر زیادہ طویل بحث کرنا نہیں چاہتا، کیوں کہ متعدد حفاظ اور ائمہ اس موضوع پر اہم تصانیف رقم کر چکے ہیں جس کے بعد کسی اور کتاب کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہ جاتی ہے۔ مثلاً امام ابو حنیفہؒ کی سیرت پر لکھی گئی حافظ ابو القاسم بن ابی العوامؒ، حافظ ابو عبد اللہ صیمریؒ کے کتابیں، اور امام موفق الدین مکیؒ کی کتاب میں شامل کردہ علامہ حارثیؒ کی کتاب، اور اسی طرح سے حافظ ابن الدخیلؒ کا رسالہ جس کا اکثر حصہ حافظ ابن عبد البرؒ نے اپنی کتاب "الإنتقاء في فضائل الأئمة الثلاثة الفقهاء" میں ذکر کر دیا ہے: یہ سب کتابیں آپ کی سوانح کے اہم مصادر ہیں۔

امام ابن الدخیلؒ عقیلیؒ کی کتابوں کے سب سے اہم راوی اور ناقل تھے، اور موصوف نے امام ابو حنیفہؒ کے مناقب کے موضوع پر ایک رسالہ بھی رقم کیا جس کا مقصد اپنے شیخ عقیلیؒ پر رد کرنا تھا، کیوں کہ عقیلیؒ نے اپنی کتاب میں فقیہ الملۃ امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے تلامذہ کے حق میں جاہلوں کی طرح زبان درازی سے کام لیا ہے۔ ابن الدخیلؒ کا مقصد عقیلیؒ کی باطل تحریروں سے برائت کا اظہار تھا، اور حقائق کی منافی روایات سے اپنے آپ کو بری ثابت کرنا تھا۔ ابن الدخیلؒ سے اس رسالہ کو حکم بن المنذر بلوطی اندلسیؒ نے مکہ میں سنا، اور حکم سے ابن عبد البرؒ نے سماع کیا، اور پھر ابن عبد البرؒ نے اس رسالہ کے

اکثر مناقب کو اپنی مشہور کتاب "الإنتقاء" میں امام ابو حنیفہؒ کے ترجمہ میں شامل کرلیا۔

تاہم حافظ ابن عبد البرؒ نے بخاریؒ سے جس روایت کا ذکر کیا ہے، انصاف کی بات تو یہ ہے کہ موصوف کو اس کی سند پر غور کرلینا چاہئے تھا، اور اسی طرح سے ابن عیینہؒ سے ابراہیم بن بشار نے جو نقل کیا ہے وہ بھی موجبِ تردد ہے۔

رہا مسئلہ ابن الجارودؒ [۴۳] کا، تو اس شخص کی جرح مردود ہونے کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ قاضیِ وقت نے اس کی شہادت کو عدالتِ اسلامیہ میں رد کردیا تھا۔ اگر ابن عبد البرؒ نے ان تمام کمزور پہلوؤں کی جانب بھی اشارہ کردیا ہوتا، تو بہت اچھا ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آج تک جن حضرات نے بھی امام ابو حنیفہؒ پر طعن و تشنیع کی ہے، ان میں سے کسی کے پاس بھی طاقتور دلائل موجود نہیں ہیں، جس کی تشریح ہم انتہائی مفصل انداز سے خطیب بغدادیؒ پر رد [۴۴] کے دوران کرچکے

---

(۴۳) محدث جلیل علامہ عبد الفتاح ابو غدہ نور اللہ مرقدہ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں: اس شخص کا پورا نام احمد بن عبد الرحمان بن الجارود رقی ہے جس کا شمار کذابین میں ہوتا ہے۔ خطیب بغدادیؒ نے "تاریخ بغداد" میں اس کی مختلف مقامات پر تکذیب کی ہے۔ مثلاً ج ۲ ص ۶۱، ۶۹، ۷، ۲۴۷۔ قابلِ تنبیہ بات یہ ہے کہ زیرِ بحث ابن الجارود، امام ابن الجارودؒ کے علاوہ ہے جن کی جانب حدیث کی مشہور کتاب "المنتقی" منسوب کی جاتی ہے، جن کا پورا نام ابو محمد عبد اللہ بن علی بن الجارود نیساپوریؒ ہے۔ لہذا دونوں شخصیتوں میں کسی طرح کا التباس نہ ہونے پائے۔

(۴۴) خطیب بغدادیؒ پر امام کوثریؒ کا یہ رد "تأنيب الخطيب على ما ساقه في ترجمةِ أبي حنيفة من الأكاذيب" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ کتاب لائق

ہیں۔ تاہم یہاں ہم امام ابو حنیفہؒ کی علمی زندگی کے چند اہم عناصر کی جانب ضرور اشارہ کریں گے جس سے امام ابو حنیفہؒ کے فقہی اسلوب اور مزاج کی کافی حد تک عکاسی ہو سکے گی۔

امام ابو حنیفہؒ کا مختصر تعارف

امام ابو حنیفہؒ کا نام نعمان تھا اور آپ کے والد کا نام ثابت اور دادا کا نام مرزبان بن زوطی بن ماہ تھا۔ آپ اصلاً فارسی النسل تھے۔ آپ پر کبھی بھی غلامی طاری نہیں ہوئی، جس کی تصدیق خود امام صاحبؒ کے پوتے اسماعیل بن حمادؒ نے کی ہے۔

صلاح الدین بن شاکر کتبیؒ "عیون التواریخ" میں فرماتے ہیں کہ محمد بن عبد اللہ انصاریؒ نے تبصرہ فرمایا ہے: "عمر بن الخطاب کے زمانہ سے لے کر آج تک بصرہ میں اسماعیل بن حمادؒ جیسا کوئی قاضی نہیں آیا۔ محمد بن عبد اللہؒ سے سوال کیا گیا: کیا حسن بصریؒ بھی نہیں؟ انھوں نے جواب دیا: خدا کی قسم، حسن بصریؒ بھی نہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ اسماعیلؒ ایک بلند پایہ عالم، زاہد وعابد اور متقی انسان تھے۔"

بھلا اتنا عظیم انسان اپنے نسب کے بارے میں بھی سچ نہیں بول سکتا؟

کوثریؒ کی علی الاطلاق سب سے اہم تصنیف ہے۔ خلافتِ عثمانیہ کے آخری شیخ الاسلام مصطفی صبری نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ کوثریؒ کی اس تصنیف پر ترکی میں آستانہ کے ادارے ازہر کے اداروں پر فخر کرنے کا حق رکھتے ہیں چونکہ امام کوثریؒ آستانہ ہی کے مدرسہ کے فاضل تھے۔ امام کوثریؒ نے اپنی اس تصنیف سے عالمِ اسلام میں اپنا لوہا منوالیا اور اس کتاب میں آپ کی شخصیت ایک محدث، فقیہ، مورخ، فلسفی، امامِ جرح وتعدیل، اصولی،، اورِ ماہر ملل ونحل، کے طور پر ظاہر ہوئی۔

امام طحاویؒ نے شرح "شرح مشكل الآثار" میں بکار بن قتیبہؒ کے طریق سے عبد اللہ بن یزید مقریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: میں امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے سوال کیا: آپ کا تعلق کہاں سے ہے؟ میں نے جواب میں کہا: بس میں ایک مسلمان ہوں جسے اللہ نے اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیا ہے۔ اس پر ابو حنیفہؒ نے جواب دیا: ایسا مت کہو: بلکہ ان میں سے کسی قبیلہ کے ساتھ موالات قائم کر لو، اور پھر انھیں کی جانب اپنے آپ کو منسوب کر لو۔ میں بھی ایسا ہی ہوں۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا ولاء موالات پر مبنی تھا نہ کی عتق کے نتیجہ میں ہونے والا ولاء، اور نہ ہی اسلام کا ولاء۔

ابن الجوزیؒ اپنی کتاب "المنتظم في تاريخ الملوك والأمم" میں فرماتے ہیں: امام ابو حنیفہؒ کی فہم اور فقہ کے سلسلہ میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے۔ سفیان ثوریؒ اور ابن المبارکؒ کہا کرتے تھے: ابو حنیفہؒ سب سے بڑے فقیہ ہیں۔ امام مالکؒ سے پوچھا گیا: کیا آپ نے ابو حنیفہؒ کو دیکھا ہے؟ اس پر امام مالکؒ نے جواب دیا: جی ہاں، میں نے ایسا آدمی دیکھا ہے کہ اگر وہ آپ سے اس ستون کو سونا ثابت کرنے کے لیے بحث کرنے لگے، تو وہ اس کے لیے ضرور دلائل قائم کر دیے گا۔ امام شافعیؒ کا فرمانا ہے: لوگ فقہ میں ابو حنیفہؒ کے محتاج ہیں۔"

قاضی عیاضؒ "ترتيب المدارك وتقريب المسالك لمعرفة أعلام مذهب مالك" میں فرماتے ہیں کہ لیث بن سعد مصریؒ نے امام مالکؒ سے کہا: مجھے آپ کی پیشانی پر پسینہ نظر آرہا ہے۔ اس پر امام مالکؒ نے جواب دیا: میں ابو حنیفہ کے ساتھ پسینہ میں شرابور ہو گیا۔ اے مصری، یہ

شخص واقعی فقیہ ہے۔"

دیگر مذاہب نے امام ابو حنیفہؒ کے مذہب سے کس طرح استفادہ کیا ہے اس کی تفصیل اس عاجز نے اپنی کتاب "بلوغ الأماني في سيرة محمد بن الحسن الشيباني" میں ذکر کر دی ہے۔ لہذا یہاں دوبارہ وہ تفصیل ذکر نہیں کروں گا۔

مذہبِ حنفی کا شورائی نظام

امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کا سب سے اہم اور نمایاں امتیاز یہ ہے کہ یہ مذہب شورائی نظام پر قائم کیا گیا ہے۔ اس پورے فقہی نظام کو جماعت در جماعت صحابہ سے نقل کیا گیا ہے۔ اس کے بر خلاف دیگر مذاہب ان کے بانی ائمہ اور مجتہدین کی ذاتی آراء کا مجموعہ ہیں۔

ابن ابی العوامؒ نے امام طحاویؒ کے طریق سے نوح ابو سفیانؒ کا قول نقل کیا ہے کہ مغیرہ بن حمزہؒ نے ان سے کہا: "امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ کی ٹیم جنھوں نے آپ کے ساتھ تمام فقہی کتابوں کی تدوین کی چالیس افراد پر مشتمل تھی، اور ان میں سے ہر شخص اپنی جگہ پر ایک عظیم الشان عالم تھا۔

اسی طرح سے ابن ابی العوامؒ نے امام طحاویؒ کے طریق سے اسد بن فراتؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: "امام ابو حنیفہؒ کی وہ جماعتِ تلامذہ جس نے تمام فقہی کتب کی تدوین کی چالیس افراد پر مشتمل تھی۔ اس میں دس لوگوں کا شمار صفِ اول میں ہوتا ہے جن میں امام ابو یوسفؒ، امام زفر بن الہذیلؒ، داؤد طائی، اسد بن عمروؒ، امام شافعیؒ کے شیخ یوسف بن خالد سمتیؒ، اور یحی بن زکریا بن ابی زائدہؒ

شامل ہیں۔ یحی بن زکریاہی تیس سال تک ان مسائل کی کتابت اور اندراج کا کام کرتے رہے۔"

اسی سند سے اسد بن فراتؒ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اسد بن عمروؒ نے ان سے کہا: "فقہاء مسائل کا جواب دیتے وقت امام ابو حنیفہؒ کی مجلس میں اختلاف کرتے۔ کوئی شخص کچھ جواب پیش کرتا اور کوئی کچھ۔ اس کے بعد سارے حضرات اپنے دلائل امام ابو حنیفہؒ کے سامنے پیش کرتے، اور اس کے بعد سوچ سمجھ کر ان مسائل کا جواب پیش کیا جاتا۔ اس طرح سے کبھی کبھی صرف ایک مسئلہ میں تین دن تک تدبر و مباحثہ، اور نقد و نظر کا سلسلہ جاری رہتا، اور پھر اس کے بعد اس مسئلہ کو رجسٹر میں درج کر لیا جاتا۔"

اسی طرح سے صیمریؒ نے اسحاق بن ابراہیمؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: "امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ آپ کے ساتھ مسائل میں غور و خوض کرتے۔ اگر قاضی عافیہ بن یزیدؒ مجلس میں حاضر نہ ہوتے، تو امام ابو حنیفہؒ حکم فرماتے کہ مسئلہ کو اس وقت تک زیرِ بحث نہ لایا جائے جب تک عافیہؒ حاضر نہ ہو جائیں۔ چنانچہ جب عافیہؒ حاضر ہوتے، اور ان کی رائے پورے گروہ کے موافق ہوتی، تو ابو حنیفہؒ اس مسئلہ کو نوٹ کرنے کا حکم فرماتے، اور اگر عافیہؒ ان کی موافقت نہ کرتے، تو ابو حنیفہؒ اس مسلہ کو نوٹ کرنے سے منع فرما دیتے۔"

امام الجرح والتعدیل یحی بن معینؒ "التاریخ"، اور "العلل" ــــ جو دوریؒ کی روایت سے دمشق کے مکتبہ ظاہریہ میں محفوظ ہیں ــــ میں فرماتے ہیں کہ ابو نعیم فضل بن دکینؒ نے امام زفرؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم لوگ ابو یوسفؒ اور محمد بن الحسنؒ کے ساتھ ابو حنیفہؒ کی مجلس میں آتے جاتے رہتے تھے، اور ہم آپ سے

فقہی مسائل نوٹ کر لیا کرتے تھے۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں: ایک دن امام ابو حنیفہؒ نے امام ابو یوسفؒ سے کہا: ارے بھائی یعقوب، مجھ سے جو کچھ سنتے ہو اسے فوراً نہ لکھا کرو۔ کیوں کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آج میری ایک رائے ہے، اور کل کچھ اور، اور کل کے بعد کچھ اور۔

بھلا دیکھئے تو سہی کہ جب امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ مسائل کو کما حقہ تحقیق و تدقیق سے پہلے قلم بند کرتے، تو آپ کس طرح سے انھیں ان کی تدوین سے منع فرمایا کرتے تھے۔

مذکورہ تفاصیل سے مطلع ہونے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ امام موفق الدین مکیؒ نے مناقب ابو حنیفہؒ میں جو کچھ لکھا ہے وہ ایک سچی حقیقت ہے۔ موصوف امام ابو حنیفہؒ کے کبارِ تلامذہ کا ذکر کرنے کے بعد تبصرہ فرماتے ہیں: "امام ابو حنیفہؒ نے اپنے مذہب کو ایک شورائی نظام کے تحت بنایا، جس میں آپ نے دین کی خاطر غایتِ اخلاص، اللہ، اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے حق میں جذبۂ خیر خواہی کے نتیجہ میں تحکم واستبداد سے گریز کیا۔ آپ مسائل کو ایک ایک کر کے لوگوں کے سامنے پیش فرماتے، اور حاضرین کی بات کو غور سے سماعت فرماتے، اور اپنا نقطۂ نظر ان کے سامنے رکھتے، اور ایک ایک مہینہ بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ تک بعض مسائل پر بحث و مناقشہ کا سلسلہ جاری رہتا تا آنکہ کسی ایک قول پر سارے لوگ اتفاق کر لیتے، پھر اس کے بعد ابو یوسفؒ اسے اصل رجسٹر میں داخل کر لیتے۔ اس طرح سے امام ابو یوسفؒ نے فقہ کے تمام بنیادی مسائل کو درج کر لیا۔ ظاہر ہے اس طرح کا انداز نہایت مناسب، اور درست ہو گا، اور حق سے قریب تر ہو گا، اور لوگوں

کے دل بھی اس اندازِ فقہ سے زیادہ مطمئن، اور راضی ہوں گے بر خلاف ان لوگوں کے جنھوں نے انفرادی طور پر اپنا ذاتی مذہب قائم کیا، اور لوگ اس کی اپنی رائے ہی کی جانب رجوع کرتے ہیں۔"

اس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اپنی مجلس کے حاضرین کے سامنے جو مسائل پیش فرماتے انھیں قبول کرنے کے لیے بالکل ان پر زور نہ ڈالتے؛ بلکہ آپ ان حضرات کو اس وقت تک اپنی آراء کے سلسلہ میں نقد و نظر کی ترغیب دیتے جب تک کہ دلائل ان کے سامنے روزِ روشن کی طرح عیاں نہ ہو جاتے۔ چنانچہ یہ حضرات بھی امام صاحبؒ کے قوی مسائل کو تو قبول کر لیتے، لیکن جو مسائل حجت و برہان کی قوت سے عاری ہوتے انھیں یہ نظر انداز کر دیتے۔ امام ابو حنیفہؒ ایک خاص جملہ بارہا کہا کرتے: "جب تک کوئی شخص ہماری دلیل سے واقف نہ ہو اس کے لیے ہمارے قول کے مطابق فتوی دینا جائز نہیں ہے۔"

مشرق و مغرب میں امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے پھیلنے کا یہی راز ہے۔ چنانچہ آپ کے مذہب کو ایسا رواج ملا جس کی نظیر دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔ امام صاحب کا یہی فقہی مزاج اور اسلوب ہے جس کی وجہ سے آپ کے یہاں ماہر فقہاء کی ایک بڑی کھیپ تیار ہو گئی۔ امام ابو حنیفہؒ نے فقہی ٹریننگ اور علمی تربیت، اور رجال سازی کے لیے جو نہج بنایا تھا در حقیقت یہ سب سے اعلی نہج مانا جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا بے پایاں فیض اور مذہبِ حنفی کی غیر معمولی مقبولیت

ابن حجر مکیؒ "الخیرات الحسان فی مناقب أبی حنیفة النعمان"

میں فرماتے ہیں: "بعض ائمہ نے یہ تبصرہ کیا ہے کہ مشہور علماء اسلام میں کسی کے یہاں اتنے موفق تلامذہ تیار نہ ہوئے جتنے امام ابو حنیفہؒ کے یہاں۔ علماء اور عوام نے جس قدر آپ اور آپ کے اصحاب کے ذریعہ احادیثِ متضادّہ، مسائل ونوازل، اور قضاء اور احکام میں استفادہ کیا ہے اتنا کسی سے بھی نہیں کیا۔"

محمد بن اسحاق الندیمؒ "الفهرست" میں فرماتے ہیں: "بر وبحر، مشرق ومغرب، اور قریب وبعید ہر جگہ علم کی تدوین ابو حنیفہؒ ہی کی رہینِ منت ہے۔"

علامہ مجد الدین ابن الاثیرؒ "جامع الأصول في أحاديث الرسول" میں فرماتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: "اگر اس میں کوئی خدائی پوشیدہ راز نہ ہوتا، تو اس امت کا نصف قدیم زمانے سے لے کر آج تک اس جلیل القدر امام کے مذہب کے مطابق خدائے قادر کی عبادت نہ کرتا۔"

یہ تینوں ہی ائمہ امام ابو حنیفہؒ کے مقلد نہیں ہیں، جس کی بنا پر ان حضرات کو تعصب اور تحزب کے ساتھ متہم بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مذہبِ حنفی کی ایک نہایت امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس مذہب کے مسائل کی تدوین شورائی انداز سے مدون ومرتب کی گئی ہے، اور ساتھ ساتھ طویل مناظرات اور مباحثات کئے گئے ہیں، اور احکام کو متوارث انداز سے ایک جماعت نے دوسری جماعت سے نقل کیا ہے یہاں تک کہ اس کا سرا فقہاءِ صحابہ کے دور میں فقہِ اسلامی کے بحر ناپیدا کنار سے جاملتا ہے۔ اس مذہب میں نوازل کے احکام کی تشریح میں ہر دور میں ایک جماعت نے سعی پیہم کی ہے، اور یہ سلسلہ جب تک اللہ کی مشیئت ہوگی چلتا رہے گا۔ یہی ساری وجوہات ہیں کہ یہ مذہب مختلف ادوار کی ضرورتوں اور انسانی ارتقاء وتہذیب

وتمدن کے تقاضوں کی بھرپور تکمیل کرتا ہے۔

مذہبِ حنفی کے بارے میں ابن خلدونؒ کی رائے

ابن خلدونؒ اپنے مقدمہ میں امام مالکؒ کے مذہب کے بارے میں فرماتے ہیں:
"مغرب اور اندلس کے علاقہ میں بدویت کا غلبہ تھا اور یہاں کے باشندوں کے پاس وہ تمدن موجود نہ تھا جو اہلِ عراق کے یہاں تھا۔(۳۵) اسی لئے اندلس اور مغرب کے لوگوں کا مزاج مشترکہ بدویت کی مناسبت سے اہلِ حجاز سے زیادہ میل کھاتا تھا۔ اور اسی بنا پر مالکی مذہب ان حضرات کے یہاں زیادہ پختگی تک نہ پہونچ سکا، اور اس میں تہذیب وتمدن کی آراستگیاں اور تنقیحات نہ آسکیں۔"(۳۶)

جب ابن خلدونؒ کی نظر میں مالکی مذہب کی یہ حالت ہے حالانکہ یہ مذہب اندلس میں صدیوں تک سرکاری مذہب کی حیثیت سے رہ چکا ہے، تو پھر اس کے علاوہ دیگر مذاہب کی حالت کیا ہوگی جن کے احکام ایک طویل زمانہ تک تہذیب وتمدن کے جلوہ سامانیوں سے محروم رہے۔

---

(۳۵) محدث جلیل علامہ عبدالفتاح ابو غدہ نور اللہ مرقدہ نے اپنے حاشیہ میں علامہ محمد یوسف بنوریؒ سے نقل کیا ہے کہ: یہ تبصرہ نہ تو کسی حنفی عالم کا ہے اور نہ ہی کسی کوفی کا؛ بلکہ ایک ایسے جلیل القدر مورخ کا تبصرہ ہے جو مغربی الاصل ہے اور جس کی نشوونما، مالکی ماحول میں ہوئی، اور قاضی مصر رہا۔

امام ابو حنیفہؒ کی قراءت

امام ابو حنیفہؒ قراءت میں عاصمؒ ہی کی قراءت کو مانتے تھے جو کہ پوری دنیا میں ذائع وشائع رہی ہے۔ استدلال واستنباط میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قرآن کریم کا بہت ہی بلند مقام ہے، کیوں کہ آپ قرآن کی عمومات کو بھی قطعی قرار دیتے ہیں۔ تقریباً ہر خاص وعام کو یہ بات معلوم ہے کہ آپ کبھی کبھی صرف ایک رکعت میں پورا قرآن ختم فرما دیا کرتے تھے، جب کہ سلف میں ایسی مثال شاذ ونادر ہی ملے گی۔

امام ابو حنیفہؒ کی جانب بے بنیاد قراءتوں کی نسبت

بعض کتابوں میں امام ابو حنیفہؒ کی جانب جو بعض شاذ قسم کی قرائتیں منسوب کی جاتی ہیں وہ آپ سے قطعاً مروی نہیں ہیں۔ لہذا اس کی توجیہ کے لیے خواہ مخواہ تکلف کی ضرورت بالکل نہیں ہے جیسا کہ زمخشریؒ اور امام نسفیؒ نے اپنی تفسیروں میں کیا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی جانب منسوب یہ قرائتیں موضوع ہیں جیسا کہ خطیب بغدادیؒ نے اپنی تاریخ، ذہبیؒ نے "طبقات القراء"، اور اسی طرح سے ابن الجزریؒ نے "غاية النهاية في طبقات القراء" میں بیان کیا ہے۔ ان بے بنیاد روایات کا واضع خزاعی ہے۔ علامہ ذہبیؒ "ميزان الإعتدال فى نقد الرجال" میں ابو الفضل محمد بن جعفر خزاعی متوفی ۴۰۷ھ کے بارے میں فرماتے ہیں: اس شخص نے امام ابو حنیفہؒ کی قراءت کے بارے میں ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ دار قطنیؒ نے اس کے اس مجموعہ کو موضوع اور بے اصل قرار دیا ہے، جب کہ بعض دیگر ائمۂ جرح

وتعدیل نے اسے غیر ثقہ قرار دیا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی کثرت حدیث

اور اگر آپ امام ابو حنیفہؒ کی کثرتِ حدیث دیکھنا چاہتے ہیں، تو اس کا اندازہ آپ مختلف ابوابِ فقہ میں مذکور آپ کے دلائل اور براہین، اور اسی طرح سے آپ کے عظیم تلامذہ اور دیگر حفاظِ حدیث کے ذریعہ جمع کردہ ان سترہ مسانید میں مدون احادیث وآثار سے لگا سکتے ہیں۔ جس وقت خطیب بغدادیؒ دمشق تشریف لائے تھے، تو موصوف کے ساتھ امام دار قطنیؒ اور امام ابن شاہینؒ کے ذریعہ جمع کردہ مسند ابی حنیفہ بھی تھا۔ یاد رہے یہ دونوں مسانید مذکورہ سترہ مسانید کے علاوہ ہیں۔

موفق مکیؒ مناقب میں فرماتے ہیں کہ حسن بن زیادؒ نے کہا: "امام ابو حنیفہؒ چار ہزار احادیث روایت فرماتے تھے: دو ہزار صرف حماد سے اور دو ہزار باقی دیگر مشائخ سے۔"

امام ابو حنیفہؒ کے فقہی مسائل کی تعداد کے بارے میں سب سے محتاط تخمینہ یہ ہے کہ ان کی تعداد تراسی ہزار تک پہونچتی ہے۔ آپ کے مشائخ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

عربی زبان میں امام ابو حنیفہؒ کی غیر معمولی دستگاہ

عربی زبان میں امام ابو حنیفہؒ کی غیر معمولی دستگاہ کا اندازہ لگانے کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ کی نشو ونما عربی زبان کے گہوارہ کوفہ میں ہوئی۔ عربی قواعد

وضوابط کے آئینہ میں آپ کی دقیق فقہی تفریعات آپ کی غیر معمولی لسانی مہارت وامتیاز کا ثبوت ہیں۔ امام ابو علی فارسیؒ، امام سیرافیؒ، اور ابن جنیؒ جیسے ائمۂ لغت نے امام ابو حنیفہؒ کے عربی زبان کے اسرار ورموز میں تبحر کا اعتراف کرتے ہوئے الجامع الکبیر میں الأیمان میں مذکور آپ کی دقیق آراء کی توضیح وتشریح کے لیے کتابیں رقم کی ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب

اور آپ کے مذہب کے متبعین میں بعض بڑے حفاظ اور محدثین

۱۔ امام زفر بن ہذیل بصریؒ، متوفی ۱۵۸ھ۔ ابن حبانؒ نے "کتاب الثقات" میں آپ کا ذکر حفظ واتقان کے ساتھ کیا ہے۔ موصوف کا شمار امام ابو حنیفہؒ کے اجل تلامذہ میں ہوتا ہے۔ آپ "کتاب الآثار" کے مؤلف ہیں۔

۲۔ امام حافظ ابراہیم بن طہمان ہرویؒ، متوفی ۱۶۳ھ۔ آپ کی سیرت کا مطالعہ "تذکرۃ الحفاظ" میں کیا جاسکتا ہے۔ موصوف ڈھیر ساری حدیثوں کے حافظ تھے، اور آپ کی احادیث صحیح بھی تھیں۔

۳۔ امام لیث بن سعدؒ، متوفی ۱۷۵ھ۔ بہت سے اہل علم نے آپ کو حنفی قرار دیا ہے۔ قاضی زکریا انصاریؒ نے بخاری کی شرح میں جزم کے ساتھ آپ کو حنفی بتایا ہے۔ ابن ابی العوامؒ نے اپنی سند سے لیث بن سعدؒ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بار لیثؒ مکہ میں ابو حنیفہؒ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ اسی دوران امام صاحبؒ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک باپ کافی ساری دولت خرچ کر کے اپنے بیٹے کی شادی کر دیتا ہے، پھر وہ بیٹا اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے، اور جب

باپ بیٹے کے لیے ایک باندی خرید کر دیتا ہے تو وہ اسے آزاد کر دیتا ہے۔ اس پر امام ابو حنیفہؒ نے سائل یعنی باپ کو یہ وصیت کی کہ وہ اپنے لیے کوئی ایسی باندی خرید لے جو بیٹے کو پسند آجائے پھر اس سے اس کی شادی کرادے۔ اس صورت میں اگر بیٹا اسے طلاق دیتا ہے، تو وہ اس کی یعنی باپ کی مملوکہ بن کر واپس ہو جائے گی، اور اگر اسے آزاد کرتا ہے، تو پھر اس کو آزاد کرنا جائز نہ ہو گا۔ امام لیث ابن سعدؒ فرماتے ہیں: "خدا کی قسم ابو حنیفہؒ کا درست جواب مجھے اتنا پسند نہ آیا جتنا آپ کی حاضر جوابی پسند آئی۔" امام لیثؒ کا شمار ائمہ مجتہدین میں ہوتا ہے۔

۴۔۔۔امام حافظ قاسم بن معن مسعودیؒ، متوفی ۱۷۵ھ۔ موصوف احادیث واشعار کے بہت بڑے راوی، اور علومِ فقہ اور عربی زبان کے بلند پایہ امام تھے۔ امام محمد بن الحسنؒ آپ سے عربی زبان کے دقائق اور مشکلات کے بارے میں رجوع فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا شمار امام ابو حنیفہؒ کے جلیل القدر تلامذہ میں ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں امام ذہبیؒ کی "تذکرۃ الحفاظ"، اور حافظ عبد القادر قرشیؒ کی "الجواهر المضیة"۔

۵۔۔۔عبد اللہ بن مبارکؒ، متوفی ۱۸۱ھ۔ آپ کی تصانیف بیس ہزار احادیث پر مشتمل تھیں۔ حافظ عبد الرحمن بن مہدیؒ آپ کو سفیان ثوری پر ترجیح دیتے تھے۔ یحی بن آدمؒ فرماتے ہیں: "جب میں پیچیدہ مسائل کی تحقیق کے بارے میں جستجو کرتا ہوں، اور مجھے ابن مبارکؒ کی کتابوں میں نہیں مل پاتی ہیں، تو پھر میں مایوس ہی ہو جاتا ہوں۔ الخ" موصوف کا شمار امام ابو حنیفہؒ کے خاص الخاص تلامذہ میں ہوتا ہے۔ اس کے باوجود بعض محدثین نے ابو حنیفہؒ کے بارے میں

آپ کی زبانی بہت سی من گھڑت باتیں منسوب کر دی ہیں، جیسا کہ آپ کے علاوہ اور بہت سے دیگر علماء کے ساتھ کیا ہے۔

۶۔ مشہور قاضی، امام **ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاریؒ**۔ امام ذہبیؒ نے "تذكرة الحفاظ" میں آپ کا ذکر کیا ہے، اور آپ نے ایک مختصر رسالہ میں آپ کی سیرت بھی رقم کی ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں: "ابو یوسفؒ فقیہ، عالم، اور حافظ تھے۔ حفظِ حدیث میں آپ کو شہرت حاصل تھی۔ آپ کسی محدث کے درس میں حاضر ہوتے، تو پچاس ساٹھ حدیثیں یاد کر لیا کرتے تھے، اور پھر وہاں سے اُٹھنے کے بعد من وعن لوگوں کے سامنے املا کرا دیتے تھے، اور آپ کے پاس بہت سی احادیث تھیں۔" ابن الجوزیؒ نے "أخبار الحفاظ" میں آپ کے بارے میں بیان کیا ہے کہ آپ بلا کا حافظہ رکھتے تھے۔ ان سے پہلے ابن حبانؒ نے بھی کچھ اسی طرح سے "كتاب الثقات" میں لکھا ہے۔ آپ کی وفات ۱۸۲ھ میں ہوئی۔ آپ کی کتاب "الأمالي" کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ تین سو جلدوں پر مشتمل تھی۔ آپ کے بارے میں یہاں بس اتنی سی تفصیل پر اکتفا کرتا ہوں۔

۷۔ متثبت حافظِ حدیث اور فقیہ **یحیی بن زکریا ابن ابی زائدہؒ**، متوفی ۱۸۳ھ۔ موصوف کا شمار امام ابو حنیفہؒ کے اجلّ تلامذہ میں ہوتا ہے۔ آپ کی سیرت امام ذہبیؒ کی "تذكرة الحفاظ" اور "الجواهر المضية" میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

۸۔ **امام محمد بن الحسن شیبانیؒ**، متوفی ۱۸۹ھ۔ موصوف کے پاس وافر مقدار میں احادیث کا ذخیرہ تھا۔ اس عاجز نے موصوف کی سیرت پر "بلوغ الأماني

في سيرة الإمام محمد بن الحسن الشيباني" نام کی ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ آپ کی کتابیں: "الآثار"، "الموطأ"، "الحجة على أهل المدينة": چند ایسی کتابیں جو فن حدیث میں آپ کی مہارتِ تامہ کا جیتا جاگتا نمونہ ہیں، اگرچہ بہت سے لوگ آپ کے بلند مقام سے ناواقف ہیں۔

۹۔ قاضی حفص بن غیاثؒ۔ محدثین نے آپ کے حفظ سے چار ہزار احادیث لکھیں۔ آپ کی وفات ۱۹۴ھ میں ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ" اور "الجواهر المضية"۔

۱۰۔ وکیع ابن الجراحؒ، متوفی ۱۹۷ھ۔ آپ کے بارے میں امام ذہبیؒ یحییٰ بن معینؒ کا قول نقل فرماتے ہیں: "میری نگاہوں نے آپ یعنی وکیعؒ سے افضل کبھی کوئی انسان نہیں دیکھا۔ آپ ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق فتوی دیتے تھے۔" امام احمدؒ فرماتے ہیں: "وکیعؒ کی مصنفات کو مضبوطی سے پکڑ لو کیوں کہ میں نے وکیعؒ سے زیادہ بڑا حافظ اور علوم کا جامع کسی کو نہیں دیکھا۔"

۱۱۔ امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن سعید القطانؒ، متوفی ۱۹۸ھ۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: "موصوف امام ابو حنیفہؒ کی رائے کے مطابق فتوی دیتے تھے۔" ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ" اور "الجواهر المضية"۔

۱۲۔ عظیم حافظِ حدیث حسن بن زیاد لولویؒ، متوفی ۲۰۴ھ۔ موصوف کے پاس حافظ ابن جریجؒ کی روایت سے بارہ ہزار ایسی احادیث تھیں جس کا علم ہر فقیہ کے لیے ناگزیر ہے۔ یحییٰ بن آدمؒ فرماتے ہیں: "میں نے آپ سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں دیکھا۔" آپ کے بارے میں بعض محدثین نے الزام تراشیاں کی ہیں جس طرح سے انھوں نے خود امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں کیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں "الجواهر المضية"۔

۱۳۔۔۔حافظ معلی بن منصور رازیؒ، متوفی ۲۱۱ھ۔ موصوف فقہ اور حدیث دونوں کے امام تھے۔ ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ" اور "الجواهر المضية"۔

۱۴۔۔۔حافظ عبداللہ بن داؤد خریبیؒ، متوفی ۲۱۳ھ۔ موصوف فقہ وحدیث کے ایک بے نظیر امام تھے۔ ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ" اور "الجواهر المضية"۔

۱۵۔۔۔قاری ابو عبدالرحمن عبداللہ بن یزید کوفیؒ، متوفی ۲۱۳۔ موصوف امام ابو حنیفہؒ سے بکثرت احادیث روایت کرتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ"۔

۱۶۔۔۔اسد بن فُرات قیروانیؒ، متوفی ۲۱۳ھ۔ موصوف فقہ وحدیث میں عراقی اور حجازی دونوں مذہبوں کے سنگم تھے۔

۱۷۔۔۔خراسان کے شیخ، مکی بن ابراہیم حنظلیؒ، متوفی ۲۱۵ھ۔ موصوف، کا شمار امام ابو حنیفہؒ سے بکثرت احادیث روایت کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ"۔

۱۸۔۔۔ ابو نعیم الفضل بن دکینؒ، متوفی ۲۱۹ھ۔ موصوف کا شمار امام ابو حنیفہؒ سے بکثرت احادیث روایت کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ"۔

۱۹۔۔۔امام عیسی بن ابان بصریؒ، متوفی ۲۲۱ھ۔ موصوف کی دونوں کتابیں

"الحجج الكبير" اور "الحجج الصغير" فنِ حدیث میں آپ کی مہارتِ تامہ کا بیّن ثبوت ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں امام صیمریؒ اور حافظ ابن ابی العوامؒ کی کتابیں، اور "الجواهر المضية"۔

۲۰۔۔امام محمد بن الحسنؒ کے شاگرد، ہشام بن عبید اللہ رازیؒ، متوفی ۲۲۱ھ۔ ملاحظہ فرمائیں امام ذہبیؒ کی "تذكرة الحفاظ"۔

۲۱۔۔ابو عبید قاسم بن سلامؒ، متوفی ۲۲۴ھ۔ موصوف کا شمار امام محمدؒ کے اجل تلامذہ میں ہوتا ہے۔

۲۲۔۔متثبت حافظ حدیث علی بن الجعدؒ، متوفی ۲۳۰ھ۔ موصوف فقہ و حدیث کے جلیل القدر امام ہیں۔ آپ کی کتاب "الجعديات" کا شمار اہم ترین کتابوں میں ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ" اور "الجواهر المضية"۔

۲۳۔۔امام الجرح والتعدیل، یحیی بن معینؒ، متوفی ۲۳۳ھ۔ موصوف نے امام محمدؒ سے "الجامع الصغير" کا سماع کیا، اور آپ ہی سے علمِ فقہ کی تحصیل کی، نیز امام ابو یوسفؒ سے حدیث کا سماع کیا۔ "عيون التواريخ" میں ہے: "ابن المدینیؒ، احمد بن حنبلؒ، ابن ابیؒ شیبہ، اور اسحاق ابن راہویہؒ آپ کے سامنے ادب ملحوظ رکھتے تھے، اور یہ سب آپ کی عظمت کے قائل تھے۔" لاکھوں دراہم اپنے والد سے بطور میراث ملے، اور سب کچھ علمِ حدیث پر صرف کر دیا۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں: "اگر کوئی حدیث یحیی کو معلوم نہیں ہے، تو وہ حدیث ہی نہیں ہے۔"

احقر نے مکتبہ ظاہریہ میں عباس دُوریؒ کی روایت سے آپ کی تاریخ کو دیکھا ہے۔ جرح وتعدیل میں آپ سے روایتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ذہبیؒ نے آپ کو متکلم فیہ مگر ثقہ راویوں سے متعلق تصنیف کردہ اپنے رسالہ (۴۷) میں ایک متصلب حنفی قرار دیا ہے؛ بلکہ اپنے مذہب کے لیے متعصب تک قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود بھی بعض محدثین امام ابو حنیفہؒ کے بہت سے تلامذہ کے بارے میں ابن معینؒ کی زبانی من گھڑت باتیں نقل کرتے ہیں۔ وللہ فی خلقہ شئون۔

۲۴— **محمد بن سماعہ تمیمیؒ**، متوفی ۲۳۳ھ۔ صاحبِ "عیون التواریخ" فرماتے ہیں: "موصوف کا شمار ثقہ حفاظِ حدیث میں ہوتا ہے، اور آپ کے مذہب میں اپنے فقہی اختیارات، اجتہادات اور روایات ہیں۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔ ابن معینؒ آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: "اگر محدثین

---

(۴۷) امام ذہبیؒ کا یہ رسالہ متعدد ناموں سے جانا جاتا ہے، اور متعدد محققین کی تحقیقات کے ساتھ اس وقت طبع ہو چکا ہے۔ چنانچہ یہ کتاب محمد الموصلی کی تحقیق کے ساتھ دار البشائر بیروت سے ۱۹۹۲ء میں "الرواۃ الثقات المتکلم فیھم بما لا یوجب ردھم" کے عنوان سے شائع کی گئی جب کہ ۱۹۸۶ء میں دارالمعرفہ بیروت سے "معرفة الرواة المتكلم فيهم بما لا يوجب الرد" کے عنوان سے ابو عبد اللہ ابراہیم ادریس کی تحقیق کے ساتھ نشر کی گئی، اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۶ء میں "ذکر أسماء من تكلم فيه وهو موثق" کے عنوان سے محمد شکور بن محمود کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ مکتبہ المنار اردن سے شائع کیا گیا اور چوتھا ایڈیشن "من تكلم فيه وهو موثق أو صالح الحديث" کے عنوان سے عبد اللہ بن ضیف اللہ الرحیلی کی تحقیق سے شائع کیا گیا۔

اسی طرح سے سچ بولنے لگیں جس طرح ابن سماعہؒ رائے میں سچ بولتے ہیں، تو وہ اِس فن کی بلندیوں کو چھو لیں گے۔ "ملاحظہ فرمائیں "الجواهر المضية"۔

۲۵۔حافظِ کبیر، ابراہیم بن یوسف بلخی باہلی ماکیانیؒ، متوفی ۲۳۹ھ۔ موصوف نے قتیبہ بن سعیدؒ سے اپنے تعلقات ختم کر لیے تھے؛ کیوں کہ انھوں نے ایک بار آپ کو امام مالکؒ کے سامنے تکلیف دی تھی، اور یہ کہا تھا کہ آپ مرجی ہیں، جس کی وجہ سے امام مالکؒ نے انھیں اپنی مجلس سے باہر نکال دیا تھا۔ آپ امام مالکؒ سے صرف ایک حدیث کا سماع کر سکے۔ امام نسائیؒ نے آپ کی توثیق کی ہے۔ اس میں واقعی عبرت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ" اور "الجواهر المضية"۔

۲۶۔"المسند الكبير " کے مصنف، اسحاق بن بُہلول تنوخیؒ، متوفی ۲۵۲ھ۔ ملاحظہ فرمائیں خطیبؒ کی "تاريخ بغداد" اور ذہبیؒ کی "تذكرة الحفاظ"۔ موصوف نے اپنے حافظہ سے چالیس ہزار حدیثوں کا املا کرایا۔ ابو حاتمؒ فرماتے ہیں: " آپ صدوق تھے۔"

۲۷۔حافظ ابو اللیث عبد اللہ بن سُریج بن حجر بخاریؒ، متوفی ۲۵۸ھ کے آس پاس۔ موصوف ابو حفص کبیر بخاریؒ کے تلامذہ میں ہیں۔ دس ہزار احادیث کے حافظ تھے۔ حافظ عبد انؒ آپ کی تعظیم کرتے تھے۔ غنجارؒ نے آپ کا ذکر "تاريخ بخاری" میں کیا ہے؛ لیکن آپ کی تاریخِ وفات کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ"۔

۲۸۔امام محمد بن شُجاع ثلجیؒ۔ موصوف کی وفات ۲۶۶ھ میں نمازِ عصر میں

سجدہ کی حالت میں ہوئی۔ موفق مکیؒ فرماتے ہیں: موصوف نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زیاہ حدیثوں کو ذکر کیا ہے۔ اور آپ کی ایک کتاب "المناسك" تقریباً ساٹھ اجزاء میں ہے۔ آپ کی ایک دوسری کتاب "تصحیح الآثار" بہت ہی بڑی کتاب ہے۔ آپ کی تیسری کتاب "الرد على المشبهة" ہے۔ امام ذہبی "سير أعلام النبلاء" میں فرماتے ہیں: موصوف علم کا سمندر تھے۔ الخ بعض محدثین نے تعصب کی بناپر آپ پر نقد کیا ہے۔ آپ کی سیرت ابن الندیم کی "الفهرست"، "الجواهر المضية"، اور "تبيين كذب المفتري فيما نسب إلى الأشعري" اور "تكملة الرد على نونية ابن القيم" پر احقر کی تعلیقات میں ملاحظہ فرمائیں۔

۲۹۔۔۔حافظ وفقیہ، ابو العباس احمد بن محمد بن عیسی بِرتیؒ، متوفی ۲۸۰ھ۔ موصوف نے ابو سلیمان الجوزجانیؒ سے علمِ فقہ حاصل کیا۔ امام اسماعیل القاضیؒ آپ کی تعظیم کرتے تھے۔ آپ "مسند أبي هريرة" کے مصنف ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ" اور "الجواهر المضية"۔

۳۰۔۔۔ابو الفضل جعفر بن محمد طیالسیؒ، متوفی ۲۸۲ھ۔ موصوف نے زہیر بن حربؒ وغیرہ کے ساتھ نبیذ کے حلال ہونے کے بارے میں مناظرہ کیا، اور انھیں مغلوب کردیا۔ ملاحظہ فرمائیں خطیبؒ کی "تاريخ بغداد"۔

۳۱۔۔۔ابو الفضل عبید اللہ بن واصل بخاریؒ۔ موصوف ۲۸۲ھ میں شہید ہوئے۔ آپ بخارا کے محدث تھے۔ امام حارثیؒ نے آپ سے علم حاصل کیا۔ ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ"۔

۳۲۔ابو بکر محمد بن النضر بن سلمۃ بن الجارود نیساپوریؒ، متوفی ۲۹۱ھ۔ امام حاکمؒ فرماتے ہیں: موصوف حفظ، کمالات، اور ریاست وسیادت کے اعتبار سے اپنے وقت کے شیخ تھے۔ آپ کے خاندان کے سارے لوگ حنفی ہیں۔ آپ طلبِ علم میں امام مسلم کے ساتھی تھے۔

۳۳۔"المسند الکبیر" اور "التفسیر" کے مصنف حافظ ابراہیم بن معقل نسفیؒ، متوفی ۲۹۵ھ۔ آپ نے امام بخاریؒ سے ان کی صحیح کی روایت کی۔ حافظ مستغفریؒ فرماتے ہیں: "آپ فقیہ، حافظِ حدیث، علماء کے علمی اختلافات کے ماہر، عفیف، اور محتاط عالمِ دین تھے۔" ملاحظہ فرمائیں "تذکرۃ الحفاظ" اور "الجواہر المضیۃ"۔

۳۴۔"المسند الکبیر" اور "المعجم" کے مصنف ابو یعلیٰ احمد بن علی بن المثنیٰ موصلیؒ، متوفی ۳۰۷ھ۔ موصوف نے علی بن الجعدؒ اور اس طبقہ کے محدثین سے علمِ حدیث کی تحصیل کی۔ حافظ ابو علیؒ فرماتے ہیں: "اگر ابو یعلیؒ بشر بن ولیدؒ کے پاس امام ابو یوسفؒ کی کتابیں پڑھنے میں مشغول نہ ہوتے، تو آپ کی ملاقات بصرہ میں سلیمان بن حربؒ، اور ابو داؤد طیالسیؒ سے ممکن ہو جاتی۔" اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی کتابیں بہت بڑی تعداد میں تھیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کی کتابیں حافظ ابو یعلیٰؒ کے علوِ سند کی راہ میں حائل نہ ہوتیں، جب کہ محدثین سماع میں بہت جلد بازی کیا کرتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں "تذکرۃ الحفاظ"۔

۳۵۔حافظ محمد بن احمد بن حماد ابو بشر دولابیؒ، متوفی ۳۱۰ھ۔ موصوف "الکنی" اور دیگر مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ امام دار قطنیؒ فرماتے ہیں:

"لوگوں نے آپ کے بارے میں کلام کیا ہے؛ لیکن آپ کے بارے میں خیر کے علاوہ کوئی اور بات نہیں ظاہر ہوئی۔" لہذا ابن عدیؒ کا یہ تبصرہ کہ ابن حمادؒ نعیمؒ کے بارے میں مہتمم ہیں تجاوز پر مبنی ہے، جیسا کہ ان کی عادت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ"۔

۳۶۔۔۔حافظ ابو جعفر احمد بن محمد طحاویؒ، متوفی ۳۲۱ھ۔ موصوف کے حفظِ حدیث، مہارت فی الرجال، اور تفقہ کا دائرہ انتہائی وسیع تھا۔ "رجال معاني الآثار" میں امام عینیؒ نے آپ کی سیرت کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ امام طحاویؒ کے تینوں اہم شیوخ: بکار بن قتیبہؒ، ابن ابی عمرانؒ، اور ابو حازمؒ عظیم حفاظِ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں۔

۳۷۔۔۔حافظ ابو القاسم عبد اللہ بن محمد بن ابی العوام، سعدی، متوفی ۳۳۵ھ کے آس پاس۔ آپ کا ذکر حافظ ذہبیؒ کی " تذكرة الحفاظ" میں امام نسائیؒ کے ترجمہ میں موجود ہے۔ موصوف نے نسائیؒ، طحاویؒ، اور ابو بشر دولابیؒ سے علمِ حدیث کی تحصیل کی۔ آپ کی کتاب "فضائل أبي حنيفة وأخباره ومناقبه" ایک ضخیم جلد میں ہے، اور آپ کی دوسری تصنیف "مسند أبي حنيفة" کو سترہ مسانید میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ آپ کے پوتے کی سیرت "قضاة مصر" اور "الجواهر المضية" میں موجود ہے۔

۳۸۔۔۔حافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد حارثی بخاریؒ، متوفی ۳۴۰ھ۔ موصوف "مناقب أبي حنيفة" کے مصنف ہیں۔ نیز آپ "مسند أبي حنيفة" کے بھی جامع ہیں، جس میں آپ نے بکثرت طرقِ حدیث کو ذکر کیا ہے۔ ابن مندہؒ نے آپ سے بکثرت روایات لی ہیں، اور موصوف کے بارے میں

آپ کی رائے اچھی تھی۔ بعض لوگوں نے تعصب کی بنا پر آپ پر کلام کیا ہے۔ آپ پر سب سے بڑا الزام یہ عائد کیا گیا ہے کہ آپ "مسند أبي حنيفة" میں اباء بن جعفر نجیرمی کے طریق سے بکثرت احادیث کی روایات کرتے ہیں؛ لیکن ان متعصبین کو اس نکتہ کا پتہ نہیں ہے کہ اس شخص سے آپ نے وہ احادیث نہیں لی ہیں جس میں یہ منفرد ہے؛ بلکہ وہ روایات لی ہیں جس میں اس کا کوئی شریک موجود ہے، جیسا کہ امام ترمذیؒ نے محمد بن سعید مصلوب، اور کلبی کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن کیا کیا جائے تعصب اور ہٹ دھرمی کا یہ انسان کو واقعی اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں "الجواهر المضية" اور "تعجيل المنفعة"۔

۳۹۔۔۔ابو القاسم علی بن محمد تنوخیؒ، متوفی ۳۴۲ھ۔ جیسا کہ خطیب بغدادیؒ نے فرمایا ہے موصوف ایک متثبت حافظِ حدیث تھے۔ آپ امام ابو الحسن کرخیؒ کے شاگردوں میں تھے۔

۴۰۔۔۔متعدد کتابوں کے مصنف، حافظِ حدیث، قاضی ابو الحسین عبد الباقی بن قانعؒ متوفی ۳۵۱ھ۔ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں: "ہمارے اکثر مشائخ آپ کی توثیق کرتے تھے۔" حسن بن فراتؒ فرماتے ہیں: "آپ وفات سے دو سال قبل اختلاط کے شکار ہو گئے تھے۔"

۴۱۔۔۔حافظ امام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص، متوفی ۳۷۰ھ۔ موصوف فقہ، اصولِ فقہ، اور حدیث میں امام تھے۔ "سنن أبي داؤد"، "مصنف ابن أبي شيبة"، "مصنف عبد الرزاق"، "مسند أبي داود الطيالسي" کی احادیث آپ کو اچھی طرح سے مستحضر تھیں۔

ان کتابوں میں سے کوئی بھی حدیث آپ کسی بھی مقام پر سند کے ساتھ ذکر کرنے پر قادر تھے۔ آپ کی کتاب "الفصول في الأصول" اور "مختصر الطحاوي" اور "الجامع الكبير" پر آپ کی شروحات اور آپ کی کتاب "أحكام القرآن" چند ایسی کتابیں ہیں جو آپ کی بے نظیر مہارت کا ثبوت ہیں ۔ رجال کے باب میں آپ کی مہارت کا علم اختلافی مسائل کے دلائل میں آپ کے مباحث سے بالکل واضح ہے۔

۴۲۔۔۔حافظ محمد بن مظفر بن موسی بغدادیؒ، متوفی ۳۷۹ھ۔ موصوف "مسند أبي حنيفة" کے مصنف ہیں۔ امام دار قطنیؒ آپ کی تعظیم کرتے تھے۔ آپ کا شمار جلیل القدر حفاظِ حدیث میں ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ"۔

۴۳۔۔۔حافظ ابو نصر احمد بن محمد کلاباذیؒ، متوفی ۳۷۸ھ۔ موصوف "رجال البخاري" کے مصنف ہیں۔ امام دار قطنیؒ آپ کے علم و فہم کے مداح تھے۔ آپ اپنے زمانہ میں ماوراء النہر کے سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے. ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ"۔

۴۴۔۔۔ابو حامد احمد بن حسین مروزیؒ۔ آپ ابن الطبریؒ سے معروف ہیں۔ آپ کی وفات ۳۷۶ھ میں ہوئی۔ آپ حدیث اور روایت میں اتقان کے ساتھ متصف تھے. ملاحظہ فرمائیں "الجواهر المضية"۔

۴۵۔۔۔"مسند أبي حنيفة" کے مصنف حافظ ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر المعدل بغدادیؒ، متوفی ۳۸۰ھ.

۴۶۔۔ ماوراء النہر کے شیخ حافظ ابو الفضل سلیمانی احمد بن علی بیکندیؒ، متوفی ۴۰۴ھ۔ آپ سے جعفر مستغفریؒ نے احادیث کی روایت کی. ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ"۔

۴۷۔۔ "تاريخ بخارى" کے مصنف حافظ غنجار ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بخاریؒ، متوفی ۴۱۲ھ. ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ"۔

۴۸۔۔ متعدد کتابوں کے مصنف حافظ ابو العباس جعفر بن محمد مستغفریؒ، متوفی ۴۳۲ھ۔ ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ"، اور "الجواهر المضية"۔

۴۹۔۔ حافظ ابو سعد سمّان، اسماعیل بن علی بن زنجویہ رازیؒ، متوفی ۴۴۵ھ۔ موصوف اپنی بدعتوں کے باوجود حدیث، رجال اور حنفی فقہ میں امام تھے۔ ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ"، اور "الجواهر المضية"۔

۵۰۔۔ حافظ عمر بن احمد نیساپوریؒ، متوفی ۴۶۷ھ۔ ملاحظہ فرمائیں عبد الغافر فارسیؒ کی "الأربعين"، اور "الجواهر المضية"۔

۵۱۔۔ حافظ ابو القاسم عبید اللہ بن عبد اللہ نیساپوری حاکمؒ، متوفی ۴۹۰ ھ۔ ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ"، اور "الجواهر المضية"۔

۵۲۔۔ حافظ ابو محمد حسن بن احمد بن محمد سمرقندیؒ، متوفی ۴۹۱ھ۔ موصوف نے امام مستغفریؒ کے پاس علم حاصل کیا۔ ابو سعدؒ فرماتے ہیں: "آپ کے وقت میں آپ کی طرح اِس فن میں مشرق اور مغرب میں کوئی بھی نہیں تھا۔ آپ کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے "بحر الاسانيد من صحاح المسانيد" جو آٹھ سو اجزاء میں ہے، جس میں آپ نے ایک لاکھ حدیثوں کو

جمع کیا ہے۔ اگر اس کو مرتب انداز میں جمع کر دیا گیا ہوتا، تو اسلام میں کوئی بھی ایسی کتاب نہ ہوتی. ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ"۔

۵۳۔۔ بقیۃ المسندین، ہرات کے محدث وزاہد نصر بن احمد بن ابراہیمؒ، متوفی ۵۱۰ھ۔

۵۴۔۔ محدثِ سمرقند، اسحاق بن محمد بن ابراہیم تنوخی نسفیؒ، متوفی ۵۱۸ھ۔

۵۵۔۔ "مسند أبي حنيفة" کے مصنف، محدث ابوعبداللہ حسین بن محمد بن خسرو بلخیؒ، متوفی ۵۲۲ھ۔ ابن حجرؒ نے آپ پر قاضی مارستانؒ کی مسند روایت کرنے کی وجہ سے مواخذہ کیا ہے، اور یہ نقد کیا ہے کہ ان کی کوئی مسند نہیں ہے؛ لیکن آپ کے شاگرد سخاویؒ اس مسند کو تدمریؒ سے، اور وہ میدومیؒ سے، اور وہ نجیبؒ سے، اور وہ ابن الجوزیؒ سے، اور وہ اس مسند کے جامع قاضی مارستانؒ سے روایت کرتے ہیں. اس سے حافظ ابن حجرؒ کا تہور ظاہر ہو جاتا ہے۔

۵۶۔۔ حافظ ابو حفص ضیاء الدین عمر بن بدر ابن سعید موصلیؒ، متوفی ۶۲۲ھ۔

۵۷۔۔ ابو الفضائل حسن بن محمد صغانیؒ، متوفی ۶۵۰ ہجری۔ موصوف لغت، فقہ اور حدیث کے امام تھے۔ آپ کے علمی کارنامے "العباب"، "المحكم"، اور "مشارق الأنوار" ہیں۔

۵۸۔۔ "المعجم" کے مصنف، محدث جوال ابو محمد عبد الخالق بن اسد دمشقیؒ، متوفی ۵۶۴ھ۔

۵۹۔۔ محدثِ شام، تاج الدین ابوالیمن زید بن الحسن کندیؒ، متوفی ۶۱۳ھ.

۶۰۔۔ امام ومسند، ابو علی حسن بن مبارک زبیدیؒ، متوفی ۶۲۹ھ.

۶۱۔۔ صحیح بخاری کے راوی، آپ کے برادر حسین زبیدیؒ، متوفی ۶۳۰ھ۔
"ذیول تذکرة الحفاظ" پر اس عاجز کی تعلیقات ملاحظہ فرمائیں۔

۶۲۔۔امام و محدث جمال الدین ابو العباس احمد بن محمد ظاہریؒ، متوفی ۶۹۶ھ۔
موصوف نے فخر الدین بخاریؒ کے مشیخہ کی تخریج پانچ اجزاء میں کی ہے.
ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ" اور "الجواهر المضية"۔

۶۳۔۔"اللباب في الجمع بين السنة والكتاب" ، اور امام طحاویؒ کی "شرح معاني الآثار" کے شارح مؤلف محدث ابو محمد علی بن زکریا بن مسعود انصاری منبجیؒ، متوفی ۶۹۸ھ کے آس پاس۔ آپ کے صاحبزادہ محمد کاذکر "الجواهر المضية" اور "الدرر الكامنة" میں موجود ہے۔

۶۴۔۔ابو العلا محمود بخاریؒ۔ آپ کی وفات ماردین میں ۷۰۰ھ میں ہوئی۔ آپ کی مشیخہ تقریباً سات سو شیوخ پر مشتمل ہے۔ آپ سے مزیؒ، برزالیؒ، ذہبیؒ اور ابو حیانؒ جیسے ائمہ نے حدیث کا سماع کیا۔ ملاحظہ فرمائیں "الجواهر المضية" اور "الفوائد البهية في تراجم الحنفية"۔

۶۵۔۔"الهداية" کے شارح شمس الدین سروجی احمد بن ابراہیم بن عبد الغنیؒ، متوفی ۷۰۱ھ۔

۶۶۔۔"تلخيص الخلاطي" کے شارح، اور "الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان" کے مؤلف علاء الدین علی بن بلبان فارسیؒ، متوفی ۷۳۱ھ۔

۶۷۔۔محدث کبیر بن المہندس محمد بن ابراہیم بن غنائم شروطیؒ، متوفی

۷۳۴ھ.

۶۸۔۔۔حافظ قطب الدین عبد الکریم بن عبد النور حلبیؒ، متوفی ۷۳۵ھ۔ موصوف نے بیس جلدوں میں صحیح بخاری کی شرح لکھی، اور آپ اس کے علاوہ "الاہتمام بتلخیص الإلمام"، "القدح المعلى في الكلام على بعض أحاديث المحلى" کے مصنف ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں: "تذكرة الحفاظ" پر حسینی کی "الذیل"۔

۶۹۔۔۔حافظ امین الدین محمد بن ابراہیم وانیؒ، متوفی ۷۵۳ھ۔ ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ" پر امام سیوطی کی ذیل۔

۷۰۔۔۔حافظ شمس الدین سروجی محمد بن علی بن ایبکؒ، متوفی ۷۴۴ھ۔ ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ" کی ذیول۔

۷۱۔۔۔"الجوهر النقي" کے مؤلف حافظ علاء الدین علی بن عثمان ماردینیؒ، متوفی ۷۴۹ھ۔ امام جمال الدین زیلعیؒ، حافظ عبد القادر قرشیؒ، "المعتصر" کے مصنف جمال الدین ملطیؒ، اور حافظ زین الدین عراقیؒ وغیرہ نے آپ کے یہاں سندِ فضیلت حاصل کی۔ ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ" کی ذیول.

۷۲۔۔۔حافظ ابن الوانی عبداللہ بن محمد بن ابراہیمؒ، متوفی ۷۴۹ھ۔ ملاحظہ فرمائیں حسینی کی ذیل۔

۷۳۔۔۔"نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية" کے مصنف، حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعیؒ، متوفی ۷۶۲ھ۔

۷۴۔۔۔حافظ علاء الدین مغلطای بکجریؒ، متوفی ۷۶۲ھ. ملاحظہ فرمائیں ابن فہدؒ

کی ذیل۔

۷۵۔۔۔بدر الدین محمد بن عبد اللہ شبلیؒ، متوفی ۷۶۰ھ۔ آپ کے والد ماجد دمشق میں مدرسۂ شبلیہ کے نگراں تھے، اسی لیے آپ کو اس کی جانب منسوب کر دیا گیا۔ ملاحظہ فرمائیں "الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة"۔

۷۶۔۔۔حافظ عبد القادر قرشیؒ، متوفی ۷۷۵ھ۔ ملاحظہ فرمائیں "تذكرة الحفاظ" کی ذیول۔

۷۷۔۔۔"مختصر أنساب الرشاطي" کے مصنف امام مجد الدین اسماعیل بلبیسیؒ متوفی ۸۰۲ھ.

۷۸۔۔۔"المعتصر" کے مؤلف علامہ جمال الدین یوسف بن موسی ملطیؒ، متوفی ۸۰۳ھ۔

۷۹۔۔۔"المسائل الشريفة في أدلة مذهب الإمام أبي حنيفة" کے مؤلف علامہ شمس الدین محمد بن عبد اللہ دیریؒ، متوفی ۸۲۷ھ۔

۸۰۔۔۔محدث ابو الفتح احمد بن عثمان بن محمد کلوتاتی، کرمانی متوفیؒ ۸۳۵ھ۔ موصوف بڑی بڑی کتابوں کی روایت، سماع اور اسماع میں کافی شہرت رکھتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں "الضوء اللامع لأهل القرن التاسع"۔

۸۱۔۔۔محدث عز الدین عبد الرحیم بن محمد بن فراتؒ، متوفی ۸۵۱ھ۔ موصوف کا شمار محدثین مکثرین، اور عالی الاسناد حفاظ میں ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں "الضوء اللامع لأهل القرن التاسع"۔

۸۲۔۔۔حافظ بدر الدین عینی محمود بن احمدؒ، متوفی ۸۵۵ھ۔ مکتبہ منیریہ سے طبع

ہونے والے "عمدة القاري" کے مقدمہ میں آپ کی سیرت اس عاجز نے قدرے توسع سے بیان کیا ہے۔

۸۳۔ "فتح القدير" کے مصنف امام کمال الدین بن الہام محمد بن عبد الواحدؒ، متوفی ۸۶۱ھ۔

۸۴۔ امام سروجیؒ کی شرح ہدایہ کے تکملہ کے مصنف سعد الدین بن شمس الدین دیریؒ، متوفی ۸۶۷ھ۔

۸۵۔ امام تقی الدین احمد بن محمد شمنیؒ، متوفی ۸۷۲ھ۔ آپ کی کتاب "كمال الدراية في شرح مختصر النقاية" احادیثِ احکام پر آپ کے کامل دسترس کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔

۸۶۔ حافظ قاسم بن قطلوبغاؒ، متوفی ۸۷۹ھ۔ "الإختيار" اور "أصول البزدوي" پر آپ کی تخریجات، اور اسی طرح سے حدیث اور فقہ کے موضوع پر آپ کی تصنیف کردہ ساری کتابیں حدیث اور فقہ میں آپ کی کوہ قامت شخصیت کی غماز ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں "الضوء اللامع لأهل القرن التاسع"۔

۸۷۔ "مبارق الأزهار شرح مشارق الأنوار" کے مؤلف عبد اللطیف بن عبد العزیزؒ، متوفی ۸۸۵ھ۔ آپ ابن ملکؒ سے مشہور ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں "شذرات الذهب"۔

۸۸۔ امام بغویؒ کی "مصابيح السنة" کے شارح، آپ کے فرزند محمد بن عبد اللطیف معروف بہ ابن ملکؒ۔ آپ کی ایک کتاب "شرح الوقاية" بھی

ہے۔ ملاحظہ فرمائیں "الفوائد البهية في تراجم الحنفية"۔

۸۹۔ "التجريد الصريح لأحاديث الجامع الصحيح" کے مؤلف شہاب الدین ابو العباس احمد بن عبد اللطیف شرجی زبیدیؒ، متوفی ۸۹۳ھ۔

۹۰۔ امام شمس الدین محمد بن علی، دمشقیؒ، متوفی ۹۵۳ھ۔ موصوف ابن طولونؒ سے جانے جاتے ہیں۔ آپ حدیث اور فقہ کے بڑے ائمہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ کی تصانیف کی تعداد تقریباً پانچ سو ہے۔

۹۱۔ امام سیوطیؒ کی "الجامع الكبير" کو "كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال" کی شکل میں ترتیب دینے والے، امام علی المتقی بن حسام الدین ہندیؒ۔ ابو الحسن بکریؒ فرماتے ہیں: "آپ کا سیوطی پر احسان ہے۔" آپ کی وفات ۹۷۵ھ میں ہوئی۔

۹۲۔ ملک المحدثین: شیخ محمد بن طاہر پٹنی، گجراتیؒ۔ موصوف "مجمع بحار الإنوار"، "تذكرة الموضوعات"، "المغني" اور فن حدیث اور غریب الحدیث کے موضوع پر کئی مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ نے ۹۸۷ھ میں جامِ شہادت نوش کیا۔

۹۳۔ محدث علی بن سلطان محمد قاری ہرویؒ، متوفی ۱۰۱۴ھ۔ "مشكاة المصابيح" اور "مختصر الوقاية" پر آپ کی دونوں شرحیں احادیثِ احکام کے موضوع پر اہم ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہیں۔ موصوف نے قطب الدین نہروالیؒ، اور عبد اللہ سندھیؒ کے پاس تکمیلِ علوم کیا۔

۹۴ــ محدث احمد بن محمد بن احمد بن یونس چلپیؒ، متوفی ۱۰۲۱ھ۔

۹۵ــ ہندوستان کے مایہ ناز محدث عبد الحق بن سیف الدین دہلویؒ۔ موصوف "لمعات التنقیح فی شرح مشکاه المصابیح" اور "التبیان في أدلة مذهب الإمام أبي حنيفة النعمان[38]" کے مصنف ہیں۔ آپ کی وفات ۱۰۵۲ھ میں ہوئی، آپ نے علی المتقیؒ کے شاگرد عبد الوہاب متقیؒ اور علی القاریؒ سے علم حاصل کیا۔ آپ سے محمد حسین خافیؒ، اور ان سے حسن عجیمیؒ نے روایتِ حدیث کی۔

۹۶ــ محدث ایوب بن احمد بن ایوب خلوتی دمشقیؒ، متوفی ۱۰۷۱ھ۔

۹۷ــ محدث حسن بن علی عجیمی مکیؒ، متوفی ۱۱۱۳ھ۔ آپ کی مرویات کی اسانید "كفاية المستطلع" میں دو جلدوں میں موجود ہیں۔

۹۸ــ اصولِ ستہ اور مسندِ احمد پر حواشی کے مصنف ابو الحسن کبیرؒ بن عبد الہادی سندھیؒ متوفی ۱۱۳۹ھ۔

۹۹ــ اصولِ سبعہ کے اطراف الحدیث کے موضوع پر " ذخائر المواریث" کے مؤلف شیخ عبد الغنی بن اسماعیل نابلسیؒ، متوفی ۱۱۴۳ھ۔

---

(۳۸) اس کتاب کا اصل نام " فتح المنان في تأييد مذهب النعمان" ہے صاحب "فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت" علامہ عبد العلی سہالوی لکھنویؒ نے بھی ج ۲ ص ۲۳۴ پر شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی اس کتاب کا یہی نام ذکر کیا ہے۔ استاذِ محترم محدثِ جلیل بحر العلوم مولانا نعمت اللہ اعظمی دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں احقر سے یہ ذکر فرمایا کہ اس کتاب کا ملخص دیوبند سے بہت پہلے شائع ہوا تھا۔

۱۰۰۔محدث محمد بن احمد عقیلہ مکیؒ، متوفی ۱۱۵۰ھ۔ موصوف "المسلسلات" اور کئی اثبات کے مصنف ہیں۔اس کے علاوہ تفسیر القرآن بالماثور کے موضوع پر آپ کی ایک کتاب "الدر المنظوم" ہے اور علوم القرآن کے موضوع پر آپ کی کتاب "الزيادة والإحسان في علوم القرآن" ہے جس کے ذریعہ موصوف نے امام سیوطیؒ کی "الإتقان" کی تہذیب وترتیب کی، اور قرآن کے دیگر علوم کا اس میں اضافہ بھی کیا ہے۔ آپ کی اکثر تصانیف استنبول میں علی پاشا حکیمؒ کی لائبریری میں موجود ہیں۔ آپ نے عجیمیؒ وغیرہ سے روایت حدیث کی۔

۱۰۱۔شیخ عبد اللہ بن محمد اماسیؒ۔ موصوف نے "نجاح القاري في شرح البخاري" کے نام سے صحیح بخاری کی تیس جلدوں میں شرح لکھی۔ اور "عناية المنعم فی شرح صحيح مسلم" کے نام سے صحیح مسلم کی شرح لکھی جس میں آپ مسلم کے نصف ہی تک پہونچ سکے۔ آپ کی وفات ۱۱۶۷ھ میں ہوئی۔

۱۰۲۔"تحفة الراوي في تخريج أحاديث البيضاوي" کے مؤلف محمد بن الحسن معروف بہ ابن ہمات دمشقیؒ، متوفی ۱۱۷۵ھ۔

۱۰۳۔"إحياء علوم الدين" کے شارح اور "عقود الجواهر المنيفة في أدلة مذهب الإمام أبي حنيفة" کے مؤلف سید محمد مرتضی زبیدیؒ، متوفی ۱۲۰۵ھ۔

۱۰۴۔"حديقة الرياحين في طبقات مشايخنا المُسندين"، اور پانچ ضخیم جلدوں میں "التحقيق الباهر شرح الأشباه والنظائر"

کے مؤلف محدث وفقیہ **محمد ہبۃ اللہ بعلیؒ**۔ موصوف کی وفات ۱۲۲۴ھ میں استنبول میں ہوئی۔ جن لوگوں نے آپ کی وفات کو دمشق میں بتایا ہے ان سے واضح طور پر وہم ہوا ہے۔

۱۰۵۔۔۔"رد المحتار على الدر المختار" کے مصنف علامہ **محمد امین بن عمر** معروف بہ ابن عابدینؒ متوفی ۱۲۵۲ھ۔ موصوف بہت سی شہرہ آفاق کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کی اسانید اور مرویات آپ کی ثبت "عقود اللآلي في الأسانيد العوالي" میں موجود ہیں۔

۱۰۶۔۔۔"حصر الشارد"، اور سولہ ضخیم جلدوں میں "طوالع الأنوار على الدر المختار" کے مؤلف اور کئی جلدوں میں مسندِ ابو حنیفہ، موسوم بہ "المو اهب اللطيفة على مسند أبي حنيفة" کے شارح **شیخ محمد عابد سندھی**، متوفی ۱۲۵۷ھ۔

۱۰۷۔۔۔**شیخ عبد الغنی مجددیؒ**، متوفی ۱۲۹۶ھ۔ آپ کی تمام اسانید "اليانع الجني في أسانيد الشيخ عبد الغني" میں موجود ہیں۔

۱۰۸۔۔۔**شیخ محمد عبد الحیی لکھنویؒ**۔ موصوف اپنے زمانہ میں احادیثِ احکام کے سب سے بڑے ماہر عالم تھے۔ آپ کی وفات ۱۳۰۴ھ میں ہوئی۔ لیکن مذہب حنفی میں شیخ کی بہت سی شاذ آراء ہیں جنھیں قبول نہیں کیا جا سکتا۔ آپ جرح وتعدیل کی کتابوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے تھے، حالاں کہ آپ اس فن کی اندرونی پیچیدگیوں سے واقف نہیں تھے۔ جو لوگ اس فن کی نزاکتوں سے واقف ہیں ان کے نزدیک یہ رویہ قطعاً قابلِ قبول نہیں ہو سکتا ہے۔

۱۰۹۔شیخ محقق محمد حسن سنبھلیؒ۔ موصوف شیخ عبد الحیی لکھنویؒ کے معاصر اور دوست تھے، اور آپ ہی کی طرح موصوف بھی قلتِ عمر کے باوجو د متعدد موضوعات پر ڈھیر ساری کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۲۶۴ھ اور وفات ۱۳۰۵ھ میں ہوئی۔ آپ سو یا اس سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کی بعض کتابیں کئی ضخیم جلدوں میں ہیں جیسے ہدایہ پر آپ کا حاشیہ وغیرہ۔ آپ کی تصنیف ''تنسیق النظام فی مسند الامام'' فنِ حدیث، رجال، اور عِلل میں آپ کے نبوغ وکمالِ براعت کا بیّن ثبوت ہے۔

۱۱۰۔ہمارے شیخ المشائخ محدث احمد ضیاء الدین بن مصطفی کمشخانویؒ، متوفی ۱۳۱۱ھ۔ موصوف نے ایک ضخیم جلد میں ''راموز احادیث الرسول'' کی تالیف کی، اور پھر ''لوامع العقول'' کے نام سے پانچ جلدوں میں اس کی شرح تصنیف کی۔ اس کے علاوہ آپ کی تقریباً پچاس تصانیف ہیں۔

سرزمینِ ہند میں فنِ حدیث میں مذہبِ حنفی کے ماہر علماء کی ایک بھاری تعداد موجود ہے جن کا بالاستیعاب ذکر تقریباً محال ہے۔ اللہ اس طرح کے علماء کی تعداد میں اضافہ کرے۔ حنفی محدثین کا یہ ایک مختصر گلدستہ ہے۔ ہم نے یہاں ان کے ناموں کا ذکر اس لیے کیا ہے تاکہ اس مختصر لسٹ سے اس عظیم تعداد کا اندازہ ہو جائے جس کا ہم نے یہاں کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

تکملہ وذیل

چوں کہ استاذ کوثریؒ نے اپنی اس کتاب میں ہندوستان کے محدثین کی ایک جماعت کا ذکر کر دیا ہے، تو میں نے بھی اس موضوع کے تکملہ کے طور پر اس سرزمین سے تعلق رکھنے والے کچھ اور محدثین کا ذکر کرنا مناسب سمجھا۔ میں نے بھی موصوف کی طرح اِن محدثین۔ کے تذکرہ میں بطورِ اختصار ایک یا دو ہی سطر پر اکتفا کیا ہے۔ میں نے صرف ان محدثین کو ذکر کرنے کی طرف توجہ دی ہے جن کی فنِ "حدیث میں کوئی نہ کوئی کتاب ہے، یا اس فن میں ان کو شہرت حاصل ہے، اور یہ سب میں نے وفات، اور طبقات کو سامنے رکھتے ہوئے ترتیب کے ساتھ ایک ہی مجلس میں جمع کیا ہے۔ اللہ سے توفیق کا خواستگار ہوں {بنوری}۔

۱۔۔۔ محدث شیخ محمد حیات سندھیؒ، متوفی ۱۱۶۳ھ، مدینہ منورہ میں۔

۲۔۔۔ محقق محدث اور شیخ ہاشم بن عبدالغفور سندھیؒ۔ موصوف کئی کتابوں کے مصنف ہیں، جیسے "فاكهة البستان"، اور "ترتيب صحيح البخاري على ترتيب الصحابة"، وغیرہ۔

۳۔۔۔ شیخ ابوالحسن سندھیؒ کے معاصر، اور اصولِ ستہ پر حواشی کے مصنف محدث ابوالطیب سندھیؒ، متوفی ۱۱۴۰ھ کے آس پاس۔

۴۔شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے شاگرد، اور سابق الذکر شیخ ہاشم اور شیخ محمد حیاتؒ کے بڑے شیخ، محمد معین سندھیؒ، متوفی ۱۱۸۰ھ کے آس پاس۔

۵۔ہندوستان میں علم حدیث کی تحریک کے سرخیل وبانی، "حجة الله البالغة"، "إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء"، "الإنصاف في أسباب الاختلاف"، "عقد الجيد في أحكام الاجتهاد والتقليد"، موطا امام مالک کی دونوں شرحوں "المصفى شرح الموطا"، "المسوى شرح الموطا"، اور الإرشاد إلى مهمات الإسناد"، "شرح تراجم أبواب البخاري"، اور "الانتباه في سلاسل أولياء الله" اور اس جیسی بہت سی جلیل القدر کتابوں کے مصنف، محدثِ کبیر، حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔

آپ کی کتاب "الانتباہ" کا دوسرا حصہ فقہ اور حدیث کی اسانید پر مشتمل ہے، اور اس کتاب میں فنِ حدیث سے متعلق بہت سے قیمتی علمی جواہر پارے ہیں۔ لیکن یہ حصہ غیر مطبوع ہے۔ یہ مکہ میں شیخ عبید اللہ دیوبندیؒ کے پاس موجود ہے۔ آپ ہی کی ذاتِ گرامی اسنادِ حدیث میں دیوبند کے محدثین کا مرجع ہے۔

۶۔علمِ حدیث میں شاہ ولی اللہؒ کے شیخ، اور معروف محدث شیخ عبد اللہ بن سالم بصری مکیؒ کے شاگرد، محدث محمد افضل سیالکوٹی، ثم الدہلویؒ۔

۷۔محدث شاہ عبد العزیز بن شاہ ولی اللہ دہلویؒ، متوفی ۱۲۳۹ھ۔ موصوف "بستان المحدثين"، علمِ حدیث کے بنیادی علوم کے موضوع پر لکھی گئی "العجالة النافعة" اور "التحفة الإثني عشرية" وغیرہ کتابوں کے

مصنف ہیں۔

۸۔۔۔محدثِ کبیر، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ۔ موصوف شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے شاگرد ہیں۔ حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی آپ کو بیہقی العصر کہا کرتے تھے۔ آپ نے قرآنِ کریم کی ایک شاندار تفسیر لکھی ہے۔(۳۹) احادیثِ احکام، اور اس کے دلائل کے سلسلہ میں اس کتاب کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ یہ کتاب پوری مطبوع نہ ہو سکی۔ آپ کی ایک دوسری کتاب "منار الأحكام" ہے، اور یہ بھی غیر مطبوع ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی دوسری اور کتابیں بھی ہیں۔

۹۔۔۔شاہ عبد القادرؒ بن شاہ ولی اللہ دہلویؒ، متوفی ۱۲۳۰ھ۔

۱۰۔۔۔شاہ رفیع الدینؒ بن شاہ ولی اللہ دہلویؒ، متوفی ۱۲۳۳ھ۔

۱۱۔محدث شیخ عبد الحیی دہلویؒ۔ موصوف کا شمار شاہ عبد العزیزؒ کے کبارِ تلامذہ میں ہوتا ہے۔

۱۲۔۔۔شاہ عبد العزیزؒ کے نواسے، مسندِ الہند، محدث محمد اسحاق دہلویؒ، متوفی ۱۲۶۲ھ۔

۱۳۔۔۔محمد اسحاق دہلویؒ کے بھائی محمد یعقوبؒ، متوفی ۱۲۸۲ھ۔

---

(۳۹) یہ تفسیر ہندوستان اور پاکستان سے بارہا طبع ہو چکی ہے، اور بیروت سے بھی شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی طبع ہو چکا ہے۔ یہ تفسیر علمی حلقہ میں تفسیر مظہری کے نام سے معروف ہے، اور برصغیر کے دینی مدارس، علماء اور طلبہ میں کافی متداول بھی ہے۔ علامہ بنوریؒ کا یہ کہنا کہ اس کتاب کی کوئی نظیر نہیں ہے شاید مبالغہ پر مبنی ہے، اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تفسیر مظہری واقعی نہایت عمدہ، جامع اور مستند تفسیر ہے۔

۱۴۔۔شاہ عبد العزیزؒ کے نواسے شیخ عبد القیومؒ۔ موصوف نے شیخ محمد اسحاقؒ سے علم حاصل کیا۔ آپ کی وفات ۱۲۹۹ھ میں ہوئی۔

۱۵۔۔محدث محمد اسماعیل دہلویؒ۔ موصوف نے کفار کے ساتھ ۱۲۴۶ھ میں جہاد کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔

۱۶۔۔محدث شیخ احمد علی سہارنپوریؒ، متوفی ۱۲۹۷ھ۔ موصوف "صحیح البخاري" کی ایک عمدہ اور جامع شرح کے مصنف ہیں۔

۱۷۔۔سرزمینِ ہند میں علمی اور دینی گہوارہ، دارالعلوم دیوبند کے بانی، شیخ عارف، محدث محمد قاسم نانوتوی دیوبندیؒ، متوفی ۱۲۹۷ھ۔ موصوف متعدد بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں۔

۱۸۔۔محدث رشید احمد گنگوہیؒ، دیوبندی، متوفی ۱۳۲۳ھ۔ موصوف متعدد عظیم کتابوں کے مؤلف ہیں۔

۱۹۔۔محدث محمد یعقوب نانوتوی دیوبندیؒ۔ موصوف کی وفات ۱۳۰۰ھ کے آس پاس ہوئی۔

۲۰۔۔مولانا (رشید احمد) گنگوہیؒ کے شاگرد، شیخ فخر الحسن گنگوہیؒ دیوبندی۔ موصوف کا "سنن أبي داؤد" پر ایک عمدہ حاشیہ ہے۔

۲۱۔۔شیخ احمد حسن امروہوی دیوبندیؒ متوفی ۱۳۳۰ھ۔ موصوف مولانا نانوتویؒ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

۲۲۔۔محدثِ کبیر، استاذ العالم، شیخ محمود حسن دیوبندیؒ، متوفی ۱۳۳۹ھ۔ آپ کو شیخ الہند کے گرانقدر لقب سے نوازا گیا۔ حدیث، تفسیر، اور علم کلام کے

موضوعات پر آپ کی متعدد بلند پایہ اور تحقیقی تصانیف موجود ہیں۔

۲۳۔"آثار السنن" کے مؤلف، اور علمِ حدیث سے متعلق مسائل پر متعدد رسائل کے مصنف شیخ محدث ظہیر احسن نیمویؒ متوفی ۱۳۲۲ھ۔

۲۴۔محدثِ کبیر، امام العصر محمد انور شاہ کشمیری، ثم الدیوبندیؒ، متوفی ۱۳۵۲ھ۔ موصوف کی کئی ایسی جامع تصانیف ہیں جن میں حیرت انگیز تحقیقی خزانے پیش کئے گئے ہیں جیسے "فصل الخطاب في مسألة أم الكتاب"، "نيل الفرقدين في مسألة رفع اليدين"، "كشف الستر"، اور "فيض الباري" وغیرہ۔

۲۵۔محدث محمد اشرف علی تھانوی، دیوبندیؒ، متوفی ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء۔ موصوف حکیم الامتؒ کے لقب سے معروف ہیں۔ آپ کی تالیفات پانچ سو سے بھی متجاوز ہو چکی ہیں۔ شاید ہی کوئی فن ایسا ہو جس میں آپ کی کوئی تصنیف موجود نہ ہو۔

۲۶۔محدث رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد، صوبہ پنجاب کے محدث حسین علی میانوالیؒ۔

۲۷۔کئی ضخیم جلدوں میں صحیح مسلم کی شرح "فتح الملهم" کے مصنف، اور اس وقت جامعہ اسلامیہ ڈھابیل، سورت کے شیخ الحدیث، محقق العصر محدث شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ، متوفی ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۴۹ء۔

۲۸۔دار العلوم، دیوبند کے شیخ الحدیث، شیخ العصر محدث حسین احمد مدنیؒ، متوفی ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء۔

۲۹۔ہندوستان کے مفتی اعظم، اور مدرسہ امینیہ دہلی کے شیخ الحدیث، محدث ومحقق شیخ محمد کفایت اللہ دہلویؒ، متوفی ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۲ء۔

۳۰۔محدث شیخ عبد العزیز پنجابیؒ متوفی ۱۳۵۹ھ۔ موصوف کے علمی کارناموں میں "أطراف البخاري"، کتاب الحج تک "تخريج الزيلعي" پر حاشیہ وغیرہ ہیں۔ علم حدیث میں موصوف کی بیش بہا تحقیقات ہیں، اور آپ کو رجال اور طبقات سے کافی مناسبت ہے۔

۳۱فنِ حدیث وغیرہ میں متعدد نافع کتابوں کے مصنف، محدث شیخ مہدی حسن شاہجہاں پوریؒ متوفی ۱۳۹۱ھ۔ آپ کا سب سے عظیم علمی کارنامہ امام محمد بن الحسنؒ کی کتاب "الآثار" کی شرح ہے۔

۳۲۔مشہور محدث شیخ محمد ادریس کاندھلویؒ، متوفی ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء۔ موصوف کا علمی کارنامہ "مشكاة المصابيح" کی شرح ہے جو کہ پانچ ضخیم جلدوں میں ہے۔

۳۳۔مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور کے شیخ الحدیث، محدث محمد زکریا کاندھلوی، متوفی ۱۹۸۲ء۔ موصوف "اوجز المسالك إلى موطأ مالك" کے مصنف ہیں۔

۳۴۔مردِ صالح، علامہ ابو المحاسن عبد اللہ حیدرابادیؒ۔ موصوف پانچ ضخیم جلدوں میں "زجاجة المصابيح" کے مصنف ہیں۔ موصوف کی وفات ۱۳۸۳ھ یا ۱۳۸۴ھ میں اٹھاسی سے زائد کی عمر میں ہوئی۔

۳۵۔داعیِ اسلام، امامِ ربانی، عالمِ ملہم شیخ محمد یوسف کاندھلویؒ۔ موصوف ہند

وپاک میں تبلیغی جماعت کے امیر تھے۔ آپ کی ولادت ۱۳۳۵ھ، اور وفات بروزِ جمعہ ۳۰ ذوالقعدہ ۱۳۸۴ھ میں ہوئی۔ موصوف تین ضخیم جلدوں میں حیاۃ الصحابہ کے مؤلف ہیں۔ اسی طرح سے آپ کی ایک دوسری کتاب امام طحاویؒ کی "شرح معاني الآثار" کی شرح "أماني الأحبار" ہے، جس کی اب تک دو ضخیم جلدیں طباعت سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ یہ کتاب فقہ، حدیث اور ان سے متعلقہ علوم پر آپ کے مہارتِ تامہ کا بیّن ثبوت ہے۔

۳۶۔۔۔ محدثِ ماہر، علامہ محمد بدرِ عالم میرٹھی۔ موصوف امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد ہیں۔ آپ ہی نے امام کشمیریؒ کے امالی کو چار ضخیم جلدوں میں "فيض الباري شرح صحيح البخاري" میں مرتب کیا ہے۔ آپ کی اردو زبان میں ایک دوسری کتاب "ترجمان السنۃ" ہے جس کی اب تک تین یا اس سے زیادہ جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔ موصوف کی وفات مدینہ منورہ میں ۳ رجب ۱۳۸۵ھ میں ہوئی۔

۳۷۔۔۔ محدث وفقیہ شیخ ظفر احمد عثمانیؒ۔ آپ کی ولادت ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ میں ہوئی اور آپ کی وفات ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء میں ہوئی۔ موصوف حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بھانجے ہیں۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں، جن میں سے آپ کی کتاب "إعلاء السنن"[۴۰] کو اپنے موضوع پر

(۴۰) یہ کتاب کئی جگہوں سے طبع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کا سب سے بہتر وہ ایڈیشن ہے جو شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، پاکستان سے طبع کیا گیا ہے، اور اسی نسخہ کی تصویر کردہ کاپی دیوبند میں

انفرادی مقام حاصل ہے۔ اس کتاب میں فقہ حنفی کے ابواب کی ترتیب کے ساتھ قرآن وسنت اور آثار کی روشنی میں دلائل کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب در اصل بیس جلدوں میں ہے، اور اب تک اس کی ۱۸ جلدیں ہندو پاک میں طبع ہو چکی ہیں۔

۳۸۔ امام العصر، علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے شاگردِ رشید، محدث وفقیہ ابوالمحاسن محمد یوسف بنوریؒ، متوفی ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء۔ آپ کا علمی کارنامہ "سنن الترمذي" کی انتہائی جامع شرح "معارف السنن" ہے۔ یہ کتاب دس سے زیادہ جلدوں میں ہے، جس کا کچھ حصہ کراچی میں طبع ہو چکا ہے۔ اللہ اس کتاب کی تکمیل میں موصوف کو اعانت سے نوازے [۴۱]۔

بھی طبع ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب کا ایک تیسرا ایڈیشن عالم عرب میں دار الفکر سے بھی طبع ہوا ہے۔ اس کتاب کا ایک چوتھا ایڈیشن جو احقر کی نظر سے گزرا ہے وہ دارلکتب العلمیہ، بیروت کا ہے جس پر محقق کا نام ابوحازم القاضیؒ لکھا ہوا ہے۔ یہ اب تک کا سب سے بدتر نسخہ ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس ایڈیشن پر محقق نے متن میں دیے گئے مصنف کے کلام کی جابجا حاشیہ میں تردید کی ہے جس سے کتاب کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ اس کا محقق واضح طور پر ابن تیمیہؒ، ابن القیمؒ، اور ناصر الدین البانیؒ کا پکا مقلد محسوس ہوتا ہے۔

(۴۱) افسوس کہ یہ عظیم شرح مکمل نہ ہو سکی۔ احقر کے نزدیک اس شرح کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس کے اندر امام کشمیریؒ کے علوم کافی مقامات پر ملتے ہیں اور صحت واستناد کے ساتھ ملتے ہیں۔ ورنہ " العرف الشذي " جیسی کتابوں نے تو امام کشمیریؒ کی ساکھ کو جو نقصان پہونچایا ہے وہ اہل علم کے یہاں معروف ہے، اور اسی وجہ سے " تحفة الأحوذي " کے مؤلف مبارکپوریؒ کو احناف، امام کشمیریؒ اور اس شرح پر اعتراض اور

موصوف ہی نے اس کتاب میں ہندوستان کے فاضل علماء اور محدثین کا یہ تکملہ نمبر ا سے ۳۴ تک تحریر کیا ہے۔

۳۹۔۔فقیہ ماہر، محدث جلیل، شیخ حبیب الرحمن اعظمیؒ، متوفی ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۲ء۔ موصوف کی متعدد عمدہ تعلیقات اور نادر تحقیقات ہیں۔ آپ فن رجال اور عللِ حدیث کے ماہر تھے۔ "سنن سعيد ابن منصور"، ابن المبارک کی "كتاب الزهد"، "مسند الحميدي"، "مسند أحمد" کی تعلیقات میں شیخ احمد شاکرؒ پر آپ کے استدراکات، اور حالیہ دنوں میں طبع ہونے والی کتاب "مصنف عبد الرزاق" پر آپ کی تعلیقات آپ کی کوہ قامت شخصیت، اور فنِ حدیث میں آپ کے یدِ طولی کا بیّن ثبوت ہیں۔

۴۰۔۔محدث ناقد، شیخ ماہر علامہ محمد عبد الرشید نعمانیؒ، متوفی ۱۴۲۰ھ۔ موصوف کے قلم سے متعدد علمی میدانوں میں کامیاب علمی تحقیقات اور بلند نکات نکل چکی ہیں۔ آپ کی کتاب "ما تمس إليه الحاجة لمن يطالع سنن ابن ماجه"، اور "دراسات اللبيب في الاسوة الحسنة بالحبيب"، "ذب ذبابات الدراسات عن المذاهب الأربعة المتناسبات"، اور مسعود بن شیبہؒ کے "مقدمة التعليم" پر آپ کی تعلیقات علم حدیث میں آپ کی امامت کا ثبوت ہیں۔

****

آخر کے ان سات علماء۔۔۳۴ سے ۴۰ تک۔۔کا ذکر میں نے اپنے استاذ علامہ

تنقید کا بھی کافی موقع مل گیا۔

موصوف ہی نے اس کتاب میں ہندوستان کے فاضل علماء اور محدثین کا یہ تکملہ نمبر ا سے ۳۳ تک تحریر کیا ہے۔

۳۹۔ فقیہ ماہر، محدث جلیل، شیخ حبیب الرحمن اعظمیؒ، متوفی ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۲ء۔ موصوف کی متعدد عمدہ تعلیقات اور نادر تحقیقات ہیں۔ آپ فن رجال اور علل حدیث کے ماہر تھے۔ "سنن سعيد ابن منصور"، ابن المبارک کی "كتاب الزهد"، "مسند الحميدي"، "مسند أحمد" کی تعلیقات میں شیخ احمد شاکرؒ پر آپ کے استدراکات، اور حالیہ دنوں میں طبع ہونے والی کتاب "مصنف عبد الرزاق" پر آپ کی تعلیقات آپ کی کوہ قامت شخصیت، اور فن حدیث میں آپ کے ید طولی کا بیّن ثبوت ہیں۔

۴۰۔ محدث ناقد، شیخ ماہر علامہ محمد عبد الرشید نعمانیؒ، متوفی ۱۴۲۰ھ۔ موصوف کے قلم سے متعدد علمی میدانوں میں کامیاب علمی تحقیقات اور بلند نکات نکل چکی ہیں۔ آپ کی کتاب "ما تمس إليه الحاجة لمن يطالع سنن ابن ماجه"، اور "دراسات اللبيب في الاسوة الحسنة بالحبيب"، "ذب ذبابات الدراسات عن المذاهب الأربعة المتناسبات"، اور مسعود بن شیبہؒ کے "مقدمة التعليم" پر آپ کی تعلیقات علم حدیث میں آپ کی امامت کا ثبوت ہیں۔

****

آخر کے ان سات علماء ۔۔۔ ۳۴ سے ۴۰ تک ۔۔۔ کا ذکر میں نے اپنے استاذ علامہ

تنقید کا بھی کافی موقع مل گیا۔

بنوریؒ کے بعد اپنی طرف سے بڑھایا ہے۔ ان کے علاوہ ہندوستان اور پاکستان میں بہت سے ایسے محدثین ہیں جن کی کتابیں میرے پاس موجود ہیں؛ لیکن میں ان کا ذکر یہاں نہیں کرسکا کیوں کہ میں یہ تعلیقات اپنے ملک اور اور لائبریری سے دور کسی اور جگہ رقم کررہا ہوں۔

جرح وتعدیل کی کتابوں پر ایک ناقدانہ نظر (۴۲)

احناف کے خلاف عقیلیؒ اور ابن عدیؒ کی بے جا اور ظالمانہ تنقید

عقیلیؒ کی کتاب "الضعفاء الکبیر" اور اسی طرح سے ابن عدیؒ کی کتاب

(۴۲) اس کتاب میں اس عنوان کے تحت امام کوثریؒ نے جو کچھ لکھا ہے حقیقت یہ کہ یہ بس آپ ہی کا حصہ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جرح وتعدیل کی کتابوں اور اسی طرح سے اس فن کے ائمہ کے منہج، مزاج اور کمزوریوں پر امام کوثریؒ کتنی عمیق نظر رکھتے تھے۔ جرح وتعدیل سے متعلق امام کوثریؒ کا یہ پورا کلام علم حدیث سے اشتغال رکھنے والے علماء اور طلبہ کے لیے حرزِ جاں بنانے کے لائق ہے۔ امام کوثریؒ سے قبل کسی اور محدث اور ناقد نے اتنے مدلل، منقح، جامع اور مختصر انداز سے اس موضوع پر قلم نہیں اٹھایا۔ کاش کوئی شخص امام کوثریؒ کی اس بحث کو دکتوراہ یا ماجستیر کا موضوع اور تھیس بناتا اور تمام شواہد اور مثالوں کے ساتھ امام کوثریؒ کے ان اقوال کا مقارنہ اور تجزیہ کرتا تو واقعی یہ ایک بہت بڑی علمی خدمت ہوتی۔

بعض جاہل قسم کے سلفیوں نے علماء جرح وتعدیل پر امام کوثریؒ کی اس تنقید کو ظلم اور تعصب قرار دیا ہے؛ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ امام کوثریؒ کی یہ تنقید خالص علمی، تعمیری اور مبنی بر حقیقت ہے۔ اکابر جرح وتعدیل بہر حال انسان تھے، اور یہ حضرات بھی اپنے گردو پیش، علمی اور فکری ماحول سے متاثر ہو جاتے تھے اور بسا اوقات ایسے شخص کو مجروح قرار دیدیتے تھے جو جرح وتنقید سے بالکل بالاتر ہوتا اور بعض دفعہ مجروح جارح سے بدرجہا افضل، اعلم اور اورع ہوتا۔ جرح وتعدیل کی کتابیں اس طرح کے شواہد سے بھری پڑی ہیں۔ بہر حال کسی کی جرح یا تعدیل قبول کرنے سے پہلے خود اس کی شخصیت پر نظر ڈالنا، اس کی تنقید اور تجریح کو اچھی طرح سے چھان پھٹک کے بعد قبول کرنا ہی مناسب ہے۔

"الكامل في ضعفاء الرجال" میں ہمارے ائمۂ فقہ، احناف کے بارے میں تعصب کی بناپر کافی جرح موجود ہے۔ عقیلیؒ نے ایسا اس لیے کیا ہے کیوں کہ یہ شخص حشویہ کے انداز پر فاسد اعتقادات کا حامل تھا، اور ابن عدیؒ ایسا اس لیے کرتا تھا کیوں کہ یہ شخص جاہلانہ مذہبی تعصب کا شکار تھا اور ساتھ ساتھ بد اعتقاد بھی تھا۔ ان دونوں کے بعد آنے والے لوگ یا تو جہالت اور یا تو عصبیت میں اندھا ہو کر انھیں کے نقش قدم پر چلتے رہے۔

جو شخص بھی اس ڈگر پر چلے گا، وہ اپنے علاوہ کسی اور کو نقصان نہیں پہونچا سکے گا، اور جو شخص بھی کسی کے مقام کو گرانے کی کوشش کرے گا، وہ خود ہی حقیر وذلیل ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ کے شیخ ابراہیم بن محمد بن ابی یحی اسلمیؒ کے بارے میں ابن عدیؒ کا قول ذرا ملاحظہ تو فرمائیں: "میں نے اس کی (یعنی اسلمی کی) احادیث میں غور کیا، اور مجھے اس کی کوئی بھی منکر حدیث نہ ملی۔" حالانکہ سارے لوگ اس شخص کے بارے میں علماءِ نقد جیسے احمدؒ اور ابن حبانؒ کی رائے سے واقف ہیں۔ امام عجلیؒ فرماتے ہیں: "ابراہیم اسلمیؒ مدینہ کا رہنے والا، رافضی، جہمی، اور قدری شخص ہے۔ اس کی حدیث نہیں لکھی جائے گی۔" یہی نہیں؛ بلکہ بہت سے ناقدین نے اسلمیؒ کی تکذیب تک کی ہے۔ اگر امام شافعیؒ اسلمیؒ سے بکثرت روایتِ حدیث نہ فرماتے جتنا کہ وہ امام مالکؒ سے روایت کیا کرتے تھے، تو ابن عدیؒ ابن عقدہؒ جیسے لوگوں کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے اسلمیؒ کے توثیق کی بالکل کوشش نہ کرتا۔

میں یہ بات سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ابن عدیؒ اپنی زبان چلانے میں اتنی جرأت کیسے کر لے جاتا ہے۔ اس شخص نے جسارت کرتے ہوئے یہاں تک

لکھ دیا ہے کہ لوگوں کو محمد بن الحسن جیسے شخص کے علم کی کوئی ضرورت نہیں، جب کہ خود ابن عدی کے امام یعنی امام شافعیؒ آپ کے علم سے مستغنی نہ رہ سکے؛ بلکہ آپ ہی کے یہاں فقہ میں زانوئے تلمذ تہ کیا۔ لیکن تعصب بما لم یُعط کا مریض ہر عالم کے علم سے استغنا کا اظہار کرتا ہے، اور اپنی جہالتوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہتا ہے، اور ایسے شخص کو آگے پیچھے کچھ بھی نظر نہیں آتا ہے۔ ابن عدیؒ نے یہ ناروا سلوک ہمارے تمام علماء کے ساتھ کیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت کے حضور روزِ قیامت یہ حضرات اس شخص کو معاف کر سکیں گے۔

ابن عدیؒ کی کتاب "الكامل في ضعفاء الرجال" کا ایک بہت بڑا عیب یہ ہے کہ اس کا مؤلف کسی بھی حدیث کی بنا پر کسی شخص کو مجروح قرار دے دیتا ہے حالانکہ اس حدیث میں خرابی اس شخص سے روایت کرنے والے دوسرے راوی کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ خود اسی شخص سے۔ امام ذہبیؒ نے اپنی کتاب "ميزان الاعتدال في نقد الرجال" میں کئی مقامات پر اس عیب کی نشاندہی کی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی مرویات۔ جن کی تعداد ابن عدیؒ کے یہاں تین سو تک پہونچتی ہے۔ پر ابن عدیؒ کی تنقید اور جرح اسی قبیل سے ہے۔ یہ تمام روایتیں در اصل اباء ابن جعفر نجیرمی سے مروی ہیں، اور ان تمام احادیث میں جو مواخذات پائی جاتی ہیں وہ سب اسی خاص راوی کی وجہ سے ہیں، جو ابن عدیؒ کے مشائخ میں سے ہے۔ ابن عدیؒ نجیرمی کی ساری غلطیاں براہِ راست ابو حنیفہؒ پر چسپاں کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ واقعی یہ ظلم اور تجاوز عن الحد کی انتہا

ہے۔ امام ابو حنیفہؒ پر ابن عدیؒ کی دوسری مواخذات بھی اسی قبیل سے ہیں۔ اس طرح کی باتوں کا پتہ لگانے کا سب سے بہتر طریقہ ان احادیث کی اسانید کی تفتیش ہے۔ (۴۳)

عقیلیؒ کے بارے میں ہم نے امام ذہبیؒ کا تبصرہ "انتقاد المغني" کے مقدمے میں نقل کر دیا ہے، اور اس شخص کے بارے میں ہم اس سے پہلے بھی کلام کر چکے ہیں۔ (۴۴)

---

(۴۳) امام کوثری نور اللہ مرقدہ نے احناف کے خلاف ابن عدیؒ کی ظالمانہ جرحوں اور متعصبانہ حملوں کا دفاع کرنے کے لیے " إبداء وجوه التعدي في كامل ابن عدي" کے نام سے ایک لطیف رسالہ بھی تصنیف فرمایا تھا؛ لیکن یہ رسالہ اب تک مطبوع نہیں ہے۔ شیخ ابو غدہؒ، استاذ احمد خیری اور دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ یہ رسالہ مخطوطہ کی شکل میں ہے۔

(۴۴) علامہ کوثریؒ استاذ حسام الدین قدسیؒ کی کتاب " انتقاد المغني" کے مقدمہ میں فرماتے ہیں: عقیلیؒ جرح کرنے میں انتہائی متشدد لوگوں میں تھا، احادیث پر نفی کا حکم کثرت سے لگایا کرتا تھا، اور اسی وجہ سے ذہبیؒ عقیلیؒ پر اپنی کتاب "میزان الإعتدال" میں ایک جگہ سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھتے ہیں - حالانکہ ذہبیؒ حنبلی محدثین کا شدت سے دفاع کرتے ہیں -: عقیلی، کیا تو عقل سے محروم ہے؟ کیا تجھے معلوم ہے کہ کس شخصیت کے بارے میں کلام کر رہا ہے؟ شاید تجھے یہ نہیں معلوم کہ ان میں سے ہر ایک تجھ سے بدرجہا ثقہ ہے، اور بلکہ بہت سے ایسے ثقہ راویوں سے بھی زیادہ ثقہ ہے جنھیں تو نے اپنی کتاب میں ذکر نہیں کیا ہے۔

علامہ کوثریؒ نے عقیلیؒ کی متعصبانہ جرحوں کا جواب دینے کے لیے باضابطہ ایک رسالہ تصنیف فرمایا تھا؛ لیکن شاید یہ رسالہ امام کوثریؒ کی مفقودہ کتابوں کے زمرہ میں ہے؛ کیونکہ اس رسالہ کا کہیں کوئی سراغ نہیں ملتا۔ بعض حضرات نے اس رسالہ کو امام کوثریؒ کی

جرح وتعدیل کے موضوع پر امام بخاریؒ کی کتابوں سے استفادہ کرتے وقت احتیاط

رہا مسئلہ جرح وتعدیل کے موضوع پر امام بخاریؒ کی کتابوں کا، تو یاد رکھیں یہ کتابیں جامعِ صحیح کی طرح امام بخاریؒ سے قطعاً ثابت نہیں ہیں اور ساتھ ساتھ ان روایات کی اندرونی علتوں کو جاننے کے لیے ان اسانید کی چھان بین ہی واحد راستہ ہے۔ چنانچہ جب آپ یہ دیکھیں کہ بخاریؒ نعیم بن حمادؒ سے کوئی واقعہ روایت کر رہے ہیں، تو فوراً نعیمؒ کے بارے میں حافظ دولابیؒ اور ابوالفتح ازدیؒ کا تبصرہ ذہن میں ضرور رکھیں، اور جب آپ یہ دیکھیں کہ بخاریؒ حمیدیؒ (۴۵) سے کچھ نقل کر رہے ہیں، تو ان کے بارے میں محمد بن عبدالحکمؒ کا تبصرہ ذہن میں ضرور رکھیں۔ اور اسی طرح سے جب آپ یہ دیکھیں کہ بخاریؒ اسماعیل بن عرعرہؒ سے کچھ روایت کر رہے ہیں، تو کتبِ جرح وتعدیل میں اس شخص کے بارے میں چھان بین کریں، اور ساتھ ساتھ اس بات کو نہ بھولیں کہ حمیدیؒ اور اسماعیلؒ (۴۶) کی روایتوں میں انقطاع ہے۔ اسی طرح سے آپ کے

مخطوطہ کتابوں کے زمرہ میں بتایا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۴۵) امام کوثریؒ "تانیب الخطیب" ص۳۶ پر فرماتے ہیں کہ حمیدیؒ نہایت متعصب تھے اور علماء کی شان میں گستاخی کرتے۔

(۴۶) امام کوثریؒ "تانیب الخطیب" ص ۴۸ پر فرماتے ہیں کہ اسماعیل بن عرعرہ مجہول الصفت ہے اور تواریخ وتراجم کی کسی بھی کتاب میں مجھے اس کا ذکر نہیں مل سکا یہاں تک کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب "التاریخ الکبیر" میں بھی اس شخص کا ذکر نہیں فرمایا ہے حالانکہ بخاریؒ نے خود اس منقطع واقعہ کو اسی راوی سے نقل کیا ہے۔

لیے دیگر کتابوں کے بارے میں بھی محتاط رہنا ضروری ہے۔

جرح وتعدیل میں ابن حبانؒ کی بے اعتدالی

رہا مسئلہ جرح وتعدیل کے موضوع پر ابن حبانؒ کی کتابوں کا، تو آپ علامہ یاقوت حمویؒ کی کتاب "معجم البلدان" میں بست کے مادہ میں ان کے احوال ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔ امام ذہبیؒ نے اپنی کتاب "میزان الاعتدال" میں ایوب بن عبد السلامؒ کے ترجمہ میں ابن حبانؒ کے بارے میں لکھا ہے: "یہ (ابن حبان) تنقید کرنے اور لوگوں کے بارے میں بکواس کرنے میں ماہر ہے۔"(۴۷)

ابن المدینیؒ اور عبد الرحمن بن مہدیؒ

اسی طرح سے ابن الجوزیؒ نے اپنی کتاب "مناقب الإمام أحمد " میں ابن المدینیؒ کے بارے میں جو ریمارک کیا ہے اسے بالکل نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

رہا مسئلہ عبد الرحمن بن مہدیؒ کا، تو موصوف خوب طعن وتشنیع کیا کرتے تھے، اور کثرت سے اپنی آراء سے رجوع بھی فرمایا کرتے تھے۔ ابو طالب مکیؒ نے "قوت القلوب"(۴۸) میں فرمایا ہے: "ابن مہدیؒ کبھی کبھی حدیث کا انکار

---

(۴۷) ابن حبانؒ کی جرح اور تعدیل سے متعلق مزید تفصیل کے لیے علامہ عبد الحیی لکھنویؒ کی کتاب "الرفع والتكميل في الجرح والتعديل" ص۲۷۵ اور علامہ ظفر احمد عثانی تھانویؒ کی "قواعد في علوم الحديث" ص۴۰۹ ملاحظہ فرمائیں اور ساتھ ساتھ محدث جلیل شیخ عبد الفتاح ابو غدۃؒ کی تعلیقات ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

(۴۸) ابو طالب مکیؒ کی اصل عربی عبارت "قوت القلوب" ج۱ ص۳۰۱ سے ملاحظہ

کر دیا کرتے تھے، اس کے بعد پھر اسی حدیث کو صحیح قرار دیتے تھے، اور وہ کہتے کہ اب انھیں یہ حدیث مل چکی ہے۔" ابنِ مہدیؒ کے بھانجے سے مروی ہے کہ: "میرے ماموں نے بہت سی احادیث پر غلط کا نشان لگا دیا تھا، اور پھر اس کے بعد ان پر صحیح کا نشان لگا دیا۔ ایک بار میں نے یہی احادیث آپ کے سامنے پڑھیں، اور میں نے کہا: "آپ نے تو ان احادیث پر غلط کا نشان لگا دیا تھا؟" اس پر آپ نے کہا: "جی ہاں، لگا دیا تھا؛ لیکن اس کے بعد میں نے سوچا کہ اگر میں نے ان احادیث کی تضعیف کر دی، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ان احادیث کے ناقلین کی عدالت کو ساقط کر رہا ہوں۔ اگر یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے سامنے میرے پاس آکر سوال کرنے لگے: میری عدالت کو تم نے کیوں ساقط کیا؟ تو یقیناً میرے پاس کوئی دلیل نہ ہو گی۔" ابن مہدیؒ کے بارے میں امام عجلیؒ کا تبصرہ ان کے بیٹے کے سوالات میں ملاحظہ فرمائیں۔

جرح وتعدیل میں خطیب بغدادیؒ کا وزن

رہا مسئلہ خطیب بغدادیؒ کا تو آپ اس شخص کے ان اشعار کو ضرور پڑھیں جسے خود اسی کی تحریر سے ابن الجوزیؒ نے "السهم المصيب في الرد على الخطيب" میں نقل کیا ہے[۴۹]، ساتھ ساتھ سبط ابن الجوزیؒ نے بھی جو کچھ

فرمائیں: عن ابن أخت عبد الرحمن بن مهدي قال: كان خالي قد خط على أحاديث ثم صحح عليها بعد ذلك وقرأتها عليه فقلت: قد كنت خططت عليها؟ قال: نعم، ثم تفكرت، فإذا إني إن ضعفتها أسقطت عدالة ناقليها، فإن جاءني بين يدي الله تعالى وقال: لم أسقطت عدالتي، رأيتني لم يكن لي حجة.

(۴۹) حافظ زیلعیؒ نے خطیب بغدادیؒ کے بارے میں ابن الجوزیؒ کا تبصرہ اپنی کتاب

"نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية" ج۲ص۱۳۶پر نقل کیا ہے۔

ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: وَقَدْ أَوْرَدَ الْخَطِيبُ فِي "كِتَابِهِ" الَّذِي صَنَّفَهُ فِي الْقُنُوتِ أَحَادِيثَ، أَظْهَرَ فِيهَا تَعَصُّبَهُ. فَمِنْهَا: مَا أَخْرَجَهُ عَنْ دِينَارِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، خَادِمِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: مَا زَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلي الله عليه وسلم يَقْنُتُ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى مَاتَ، انْتَهَى. قَالَ: وَسُكُوتُهُ عَنِ الْقَدْحِ فِي هَذَا الْحَدِيثِ، وَاحْتِجَاجُهُ بِهِ، وَقَاحَةٌ عَظِيمَةٌ، وَعَصَبِيَّةٌ بَارِدَةٌ، وَقِلَّةُ دِينٍ، لِأَنَّهُ يَعْلَمُ أَنَّهُ بَاطِلٌ، قَالَ ابْنُ حِبَّانَ: دِينَارٌ يَرْوِي عَنْ أَنَسٍ آثَارًا مَوْضُوعَةً، لَا يَحِلُّ ذِكْرُهَا فِي الْكُتُبِ، إلَّا عَلَى سَبِيلِ الْقَدْحِ فِيهِ، فَوَاعَجَبًا لِلْخَطِيبِ، أَمَا سَمِعَ فِي الصَّحِيحِ: "مَنْ حَدَّثَ عَنِّي حَدِيثًا، وَهُوَ يَرَى أَنَّهُ كَذِبٌ، فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ"؟، وَهَلْ مِثْلُهُ كَمَثَلِ مَنْ أَنْفَقَ نَبَهْرَجًا وَدَلَّسَهُ؟، فَإِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْرِفُونَ الصَّحِيحَ مِنَ السَّقِيمِ، وَإِنَّمَا يَظْهَرُ ذَلِكَ لِلنُّقَّادِ، فَإِذَا أَوْرَدَ الْحَدِيثَ مُحدثٌ، وَاحْتَجَّ بِهِ حَافِظٌ لَمْ يَقَعْ فِي النُّفُوسِ إلَّا أَنَّهُ صَحِيحٌ، ولكن عَصَبِيَّته، وَمَنْ نَظَرَ فِي "كِتَابِهِ" الَّذِي صَنَّفَهُ فِي الْقُنُوتِ، وَ"كِتَابِهِ" الَّذِي صَنَّفَهُ فِي الْجَهْرِ، وَمَسْأَلَةِ الْغَيْمِ، وَاحْتِجَاجِهِ بِالْأَحَادِيثِ الَّتِي يَعْلَمُ بُطْلَانَهَا، اطَّلَعَ عَلَى فَرْطِ عَصَبِيَّتِهِ، وَقِلَّةِ دِينِهِ۔ (یعنی خطیبؒ نے قنوت کے موضوع پر لکھی گئی اپنی کتاب میں ایسی احادیث ذکر کی ہیں جس سے ان کے تعصب کا پتہ ملتا ہے۔ اسی طرح کی ایک وہ حدیث ہے جسے خطیبؒ نے انس بن مالکؓ کے خادم دینار بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں وفات تک قنوت کرتے رہے۔ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ خطیبؒ کا اس حدیث کی تضعیف نہ کرنا، اور اس سے استدلال کرنا بڑی گستاخی، بھونڈے تعصب، اور قلتِ دین کی علامت ہے کیوں کہ خطیبؒ کو یہ بات اچھی طرح سے معلوم ہے کہ یہ حدیث باطل ہے۔ ابن حبانؒ کا کہنا ہے کہ دینار انس بن مالکؓ سے موضوع روایات نقل کرتا ہے جس کا ذکر کتابوں میں کرنا جائز نہیں ہے مگر اس وقت جب کہ تضعیف مقصود ہو۔ تعجب ہوتا ہے خطیبؒ پر۔ کیا اس نے وہ صحیح حدیث نہیں سنی جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مجھ سے کوئی

"مرآة الزمان في تواريخ الأعيان" میں اس شخص کے بارے میں لکھا ہے اس کا بھی مطالعہ کریں تاکہ جرح وتعدیل میں اس شخص کے کلام کا کیا وزن ہو سکتا ہے اس کا صحیح اندازہ لگا سکیں۔

ابنِ ابی حاتمؒ کی "کتاب الجرح والتعديل"

رہا مسئلہ ابنِ ابی حاتمؒ کی "كتاب الجرح والتعديل" کا تو آپ امت محمدیہ کے سب سے بڑے حافظِ حدیث امام بخاریؒ کے بارے میں جب موصوف کا کلام "ابوزرعہ اور بوحاتم نے ان کو یعنی بخاری کو متروک قرار دیا ہے" دیکھیں گے، تو آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ موصوف کے اندر کتنی دھاندھلے بازی تھی۔ چنانچہ ابنِ ابی حاتمؒ کی کتاب میں جو بھی جرح آپ دیکھیں اس کے بارے میں اچھی طرح سے چھان پھٹک کر لیا کریں۔ "شروط الأئمة" کے آغاز میں میں نے اس سلسلہ میں امام رامہرمزیؒ سے کچھ فوائد اپنی تعلیقات میں ذکر کیا ہے۔

حدیث بیان کرتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹی ہے، تو وہ خود بھی ایک جھوٹا ہی مانا جائے گا۔ ایسا شخص اس شخص کی طرح ہے جو دھوکے سے نقلی کرنسی یا کھوٹے سکے کو رائج کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اکثر لوگ صحیح اور ضعیف کا علم نہیں رکھتے ہیں۔ اس کا علم صرف ناقدین ہی کو ہوتا ہے۔ لہذا جب کوئی بھی محدث حدیث بیان کرتا ہے، اور اس سے استدلال کرتا ہے تو لوگوں کو یہ تاثر ملتا ہے کہ حدیث صحیح ہے۔ لیکن کیا کیا جائے تعصب کا؟ جو شخص بھی خطیبؒ کی قنوت کے موضوع پر لکھی گئی کتاب، اور اسی طرح سے جہر اور غیم کے مسئلوں پر لکھی گئی تصانیف پر نظر ڈالے گا، اور یہ دیکھے گا کہ کس طرح خطیبؒ ان احادیث کے بطلان کا علم ہونے کے باجود اس سے استدلال کرتے ہیں تو اسے خطیبؒ کے شدت تعصب اور قلتِ دین کا علم ہو گا۔)

امام ابن معین ؒ فرماتے ہیں: ”کبھی کبھی ہم ایسے شخص کے بارے میں بھی جرح کر دیتے ہیں جو بہت پہلے سے جنت الفردوس میں اپنی منزل پا چکا ہوتا ہے۔“

ابراہیم بن بشار رمادی نے ابن عیینہ ؒ کی زبانی کتنی روایتیں وضع کی ہیں، اس کا اندازہ تک نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح سے یاروں نے اس سلسلہ میں امام مالک ؒ کی جانب بہت سی جھوٹی روایات منسوب کر رکھی ہیں، جیسا کہ امام ابو الولید باجی ؒ کی کتاب ”المنتقی شرح الموطأ“ سے ظاہر ہوتا ہے۔

ساجی ؒ کا تعصب

ابو الحسن ابن القطان ؒ وغیرہ نے ساجی ؒ کے بارے میں کہا ہے: ”یہ شخص روایت حدیث میں مختلف فیہ ہے۔ ایک جماعت نے اس شخص کی تضعیف کر رکھی ہے، جب کہ کچھ دوسرے لوگوں نے ان کی توثیق بھی کی ہے۔“ اسی وجہ سے آپ ساجی ؒ کے بارے میں یہ دیکھیں گے کہ اس کے پاس بہت سے مجہول قسم کے راویوں سے منکر روایات کی ایک بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔ خطیب بغدادی ؒ کی تاریخ میں ساجی سے منکر روایات کی بھرمار ہے۔ امام ابو بکر رازی ؒ حنفی نے حدیث ذکاۃ الجنین... کے تحت ساجی کے ایک تفرد کا ذکر کرتے ہوئے تبصرہ فرمایا ہے کہ: ”یہ شخص نہ تو مامون ہے اور نہ ہی ثقہ۔“ اسی وجہ سے اس کی کتاب ”علل الحدیث“ اور ”اختلاف الفقهاء“ میں اس کے کلام کو قطعاً مستند قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ اس شخص کے اندر اتنا تعصب پایا جاتا تھا جو بیان سے باہر ہے۔

احناف پر اعتراض کرنے والا جہالت یا جمود کا شکار

ہمارے ائمۂ احناف پر اعتراض کرنے والا یا تو جمود کا شکار راویِ حدیث ہوتا ہے

جو ہمارے ائمۂ فقہ کے علمی مدارک کی باریکیوں اور فقہی مراتب کی بلندی تک پہونچنے سے قاصر رہتا ہے، جس کی وجہ سے وہ ان علماء پر مخالفتِ حدیث کا الزام لگادیتا ہے، حالانکہ ایسا شخص خود مخالفِ حدیث ہوتا ہے نہ کہ ہمارے علماء، اور یا تو ہمارے علماء پر تنقید کرنے والا ایسا شخص ہوتا ہے جو فکری انحراف کا شکار ہوتا ہے، اور اعتقادی بدعات میں ملوث ہوتا ہے۔ ہمارے علماء کے بارے میں ایسا شخص یہ تصور کرتا ہے کہ یہ لوگ اعتقادی امور میں راہِ حق سے ہٹے ہوئے تھے؛ حالانکہ خود یہ کمبخت گمراہی کے دلدل میں پھنسا ہوا ہوتا ہے۔

بعض طعن وتشنیع کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جس سے بھی اس کا صدور ہوا ہو، وہ پہلی ہی نظر میں انسانی مقام سے نیچے گر جائے گا۔ چنانچہ مثلاً اگر آپ کسی کو یہ کہتے ہوئے سنیں کہ: "فلاں شخص سے زیادہ منحوس اسلام میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔" تو سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام میں کوئی نحوست ہے ہی نہیں، اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حدیث میں مذکورہ تین چیزوں کے علاوہ اور چیزوں میں بھی نحوست ہے، تو پھر اس کلام پر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ نحوست ایک نسبتی چیز ہے، اور اسی لیے کسی خاص شخص کو نبیِ معصوم کی جانب سے وارد نص کے بغیر سب سے بڑا منحوس قرار دینا ایک حکمِ غیبی کے مساوی ہوگا جس سے اہلِ دین کا بچنا ضروری ہے۔ لہٰذا اگر ایسا کلام کسی شخص سے صادر ہوتا ہے، تو سب سے پہلے خود یہ جارح مجروح شخص سے پہلے لوگوں کی نظروں سے گر جائے گا۔ بڑا بدنصیب ہے وہ شخص جو امت کے قائدین کی شان میں اس طرح کا مذاق ہمیشہ ہمیش کے لیے اپنی کتابوں کا حصہ بنا

دے۔(۵۰)

علاقائیت، قومیت اور مذہبیت کی بنیاد پر جرح وتعدیل

کسی شخص پر اس وجہ سے جرح کرنا کہ وہ جارح کے علاقے سے تعلق نہیں رکھتا

---

(۵۰) امام کوثریؒ اس پیراگراف میں امام بخاریؒ کی کتاب "التاریخ الصغیر" ص ۱۷۴ میں مذکور ایک روایت کی جانب اشارہ فرماتے ہوئے اس کی پرزور تردید فرمارہے ہیں۔ "التاریخ الصغیر" کی اس روایت میں سفیان ثوریؒ کی جانب یہ منسوب کیا گیا ہے کہ جب سفیان ثوریؒ کے پاس امام ابو حنیفہؒ کی وفات کی خبر پہونچی تو انھوں نے رد عمل ظاہر کرتے ہوئے فرمایا: الحمد للہ، یہ شخص یعنی ابو حنیفہؒ تو اسلام کی دھجیاں اڑا رہا تھا۔ اسلام میں اس سے زیادہ منحوس کوئی بھی شخص نہیں پیدا ہوا۔

علامہ کوثریؒ نے امام بخاریؒ کی اس روایت پر کئی اعتراضات کئے ہیں۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس کی سند میں نعیم بن حمادؒ ہے جسے متعدد ائمہ جرح وتعدیل نے متہم اور وضاع و کذاب تک قرار دیا ہے جس کی وجہ سے یہ واقعہ موضوع قرار پائے گا اور اسے رد کردیا جائے گا۔

امام کوثریؒ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس روایت میں جو یہ بتایا گیا ہے کہ ابو حنیفہ سب سے زیادہ منحوس ہیں اس طرح کی بات جاننے کے لیے نص کی ضرورت ہے۔ بغیر وحی کے کسی بھی فرد کو سب سے زیادہ منحوس قرار دینا جائز نہیں ہے کیوں کہ نحوست ایک نسبی چیز ہے جو کم وبیش ہوسکتی ہے لہذا بالتعیین کسی کو سب سے زیادہ منحوس قرار دینا قابل قبول نہیں ہے۔ امام کوثریؒ فرماتے ہیں کہ چوں کہ خدائی وحی بند ہوچکی ہے جس کے ذریعہ اس طرح کا حکم صادر کیا جاسکے تو اب اس طرح کا ظالمانہ تبصرہ صرف شیطانی وحی ہی کا حصہ ہوسکتا ہے۔

امام کوثریؒ کا تیسرا اہم اعتراض یہ ہے کہ امام بخاریؒ جیسے جبال علم اور اکابر محدثین کے لیے یہ بات زیب نہیں دیتی کہ اس طرح کی مخدوش اور معلول روایتیں اپنی کتابوں میں ذکر کریں۔ چنانچہ اس روایت کو اپنی کتاب میں ذکر کرنے سے پہلے امام بخاریؒ کو اس کے کمزور پہلوؤں اور منفی نتائج پر اچھی طرح سے غور کرلینا چاہئے تھا۔

ہے، یا اس کی قوم کا نہیں ہے، یا اس کے مذہب سے اس کا تعلق نہیں یہ محض تعصب کے اور کچھ نہیں، جس سے اہلِ علم کو ہر حال میں اجتناب کرنا چاہئے۔ امام شافعیؒ اپنی کتاب "الأم" میں فرماتے ہیں: "جو شخص کسی سے اس وجہ سے نفرت کرتا ہے، کیوں کہ وہ کسی اجنبی جگہ سے تعلق رکھتا ہے، تو ایسے شخص کو متعصب اور مردود الشہادۃ قرار دیا جائے گا۔" امام ابو طالب مکیؒ "قوت القلوب" (۵۱) میں تحریر فرماتے ہیں: "بعض حفاظِ حدیث بے جا جرأت اور گستاخی کی زد میں آجاتے ہیں، اور جرح کرتے وقت حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، اور الفاظ کے مناسب دائرہ سے باہر نکل جاتے ہیں، حالانکہ جس کی وہ جرح کرتے ہیں وہ خود ان سے بدرجہا بہتر ہوتا ہے، اور اللہ رب العزت کے یہاں اسے عظیم تر رتبہ حاصل ہوتا ہے۔ اس جذبہ سے کی گئی جرح خود جارح پر لوٹ آتی ہے۔"

ابن قتیبہؒ کی کتاب "الإختلاف في اللفظ والرد على الجهمية والمشبهة" میں کچھ ایسے اشارات ملتے ہیں جس سے امام احمد بن حنبلؒ کی آزمائش کے بعد جرح وتعدیل کے نام پر محدثین کی دھاندلے بازیوں کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔ (۵۲)

---

(۵۱) ابو طالب مکیؒ کی اصل عربی عبارت " قوت القلوب ج ۱ ص ۳۰۰ سے ملاحظہ فرمائیں: وقد يتكلم بعض الحفاظ بالإقدام والجراءة فيجاوز الحدّ في الجرح ويتعدّى في اللفظ ويكون المتكلم فيه أفضل منه، وعند العلماء بالله تعالى: أعلى درجة فيعود الجرح على الجارح۔

(۵۲) امام کوثریؒ یہاں امام احمدؒ کے دور میں رونما ہونے والے اس خوفناک فتنہ کی جانب

۔۔۔دثین کی متعصبانہ جرح کے بارے میں ابن الجوزیؒ کا قیمتی تبصرہ

۔۔ن الجوزیؒ اپنی معروف کتاب "تلبیس إبلیس" میں فرماتے ہیں:
۔۔محدثین کو ابلیس اپنی تلبیس کے جال میں اس طرح سے پھانستا ہے کہ ان ۔۔ے ایک دوسرے پر جرح کرواتا ہے، جس سے یہ حضرات ذاتی انتقام لیتے ۔۔ں، اور اسے یہ لوگوں کے سامنے جرح وتعدیل کی صورت میں پیش کرتے ۔۔ں، جب کہ اس امت کے علماءِ سلف نے اس فن کو شریعتِ محمدیہ کی دفاع کے لیے استعمال کیا تھا۔ اللہ ہی لوگوں کے ارادوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ ان

۔۔شارہ فرما رہے ہیں جسے تاریخ میں فتنۂ خلق قرآن کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس فتنہ میں ۔۔ہت سے علماء خاص طور پر محدثین کو شدید ترین سزائیں دی گئیں اور ہولناک آزمائشوں ۔۔ے گذرنا پڑا اور بہت سے لوگ تہِ تیغ ہوگئے۔ اس فتنہ کی اصل بنیاد یہ تھی کہ قرآن ۔۔خلوق ہے یا غیر مخلوق۔ جانبین سے افراط و تفریط اس قدر بڑھی کہ ہر گروہ نے دوسرے ۔۔و صراطِ مستقیم سے منحرف بتایا۔ چونکہ اس اختلاف میں شامل محدثین کی مخالفت کرنے ۔۔الے معتزلہ، اور تاویل کرنے والے حضرات کی بڑی جماعت اس دور میں احناف کے ۔۔روہ سے تعلق رکھتی تھی اس لیے محدثین نے خاص طور پر احناف کو اپنی جرح وتنقید کا نشانہ بنایا۔ جرح وتعدیل کے نام پر محدثین کی ایک جماعت نے فقہاء کو مطعون کرنا شروع ۔۔ردیا۔ معتزلہ سے انتقام لینے کے لیے بعض محدثین نے معتزلہ کے فقہی امام اور پیشوا ۔۔بوحنیفہؒ کو بھی نہیں بخشا۔ محدثین کی ایک بڑی جماعت احناف کے خلاف اٹھ کھڑی ۔۔وئی، اور ان حضرات نے جرح وتعدیل کے موضوع پر لکھی گئی اپنی کتابوں میں زیادہ تر ۔۔احناف کو ناروا طعن و تشنیع اور تنقید و تجریح کا ہدف بنانا شروع کردیا، اور یہیں سے اہل الرائے کے مکتبِ فکر سے تعلق رکھنا خود ایک جرح بن گیا۔

لوگوں کے بدنیتی کی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ جس سے روایت نقل کرتے ہیں اس کے بارے میں خاموش رہتے ہیں۔" خلاصہ یہ ہے کہ سابق الذکر اندازکی جرح وتعدیل کی کتابیں اور "تاريخ ابن أبي خيثمة"، اور کرابیسیؒ کی "كتاب المدلسين"([٥٣]) وغیرہ نے کسی بھی ایسے شخص کو نہیں چھوڑا جس

---

(۵۳) امام کرابیسیؒ کی اس کتاب کی وجہ سے بہت سے مخالفین حدیث کو دلائل ہاتھ آگئے اور یہ حضرات اسے علم حدیث اور اس سے اشتغال رکھنے والے علماء کے خلاف استعمال کرنے لگے۔ حافظ ابن رجب حنبلیؒ "شرح علل الترمذي" ج۲ص۸۰۶ میں فرماتے ہیں: "کرابیسیؒ کی یہ کتاب امام احمدؒ کے سامنے پیش کی گئی، اور آپ نے اس کی سخت مذمت کی۔ اسی طرح سے ابوثورؒ اور دیگر علماء نے بھی اس کتاب پر نکیر کی۔ مروزیؒ کہتے ہیں: میں کرابیسیؒ کے پاس اس وقت آیا جب انھوں نے اپنے آپ کو چھپالیا تھا، اور سنت کا دفاع کررہے تھے، اور ابوعبد اللہ احمد بن حنبلؒ کی تائید کررہے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ لوگ آپ کی "كتاب المدلسين" ابوعبد اللہؒ کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ آپ اس بات کا اعلان کردیں کہ آپ اپنی اس تصنیف پر نادم ہیں، اور اس سلسلہ میں ابوعبد اللہؒ کو باخبر کردیں۔ اس پر مجھ سے انھوں نے کہا: ابوعبد اللہ احمد بن حنبلؒ نیک شخص ہیں، اور ان کے اندر حق شناسی کی صلاحیت ہے، مجھے بڑی خوشی ہوگی اگر میری کتاب ان کے سامنے پیش کردی جائے۔ کرابیسیؒ نے مزید کہا کہ مجھ سے ابوثورؒ، ابن عقیلؒ، اور حبیشؒ نے یہ درخواست کی کہ میں اس کتاب سے رجوع کرلوں؛ لیکن میں نے اس سے انکار کردیا، اور میں نے ان حضرات سے جواباً کہا کہ میں اس کتاب میں مزید اضافہ کرنے والا ہوں۔"

کرابیسیؒ کو اپنی اس کتاب کے بارے میں کافی اصرار رہا، اور اس سے رجوع کرنے سے انکار کردیا۔ چنانچہ اس کتاب کو ابوعبد اللہؒ کے پاس لایا گیا؛ لیکن آپ کو اس کا علم نہیں تھا کہ اس کتاب کے مصنف کون ہیں۔ اس کتاب میں اعمشؒ پر جرح کی گئی تھی اور حسن بن صالحؒ کی تائید۔ اس کتاب میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حسن بن

پر جرح نہ کر دی ہو، چاہے وہ حفاظِ حدیث میں سے رہا ہو یا ائمۂ فقہاء میں سے۔ صاحب ابن عباد نے بڑے بڑے حفاظِ حدیث، اور علمِ حدیث سے شغف رکھنے والوں کا یہ سب سے بڑا عیب مانا ہے اور یہی نہیں بلکہ ان لوگوں کے خلاف ایک خاص تصنیف بھی رقم کی ہے۔ اسی طرح سے بعض فتنہ پرداز

صالح خوارج کا عقیدہ رکھتے تھے، تو ہم اس سے کہیں گے کہ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ نے بھی تو خروج اختیار کیا تھا۔ جب یہ کتاب ابو عبداللہؒ کے سامنے پڑھی گئی، تو آپ نے تبصرہ فرمایا: "اس شخص نے مخالفین کے لیے ایسے دلائل جمع کر دیا ہے جسے وہ خود جمع نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی اس سے استدلال کر سکتے تھے۔ اس کتاب سے دور رہو۔" امام احمدؒ نے اس کتاب سے لوگوں کو روکا۔

اس کتاب کے ذریعہ معتزلہ وغیرہ دیگر اہلِ بدع جیسے صاحب ابن عباد وغیرہ نے علماءِ حدیث پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ اسی طرح سے بعض علماءِ حدیث کو بھی اس کتاب سے دھوکہ ہو گیا اور وہ دانستہ یا نادانستہ طور پر اس کتاب سے منفی قسم کی باتیں اعمشؒ وغیرہ کی جرح سے متعلق نقل کرنے لگے، جیسا کہ یعقوب بن سفیان فسویؒ وغیرہ نے کیا ہے۔

امام طحاویؒ نے کرابیسیؒ کی کتاب پر ایک رد لکھا تھا جس کا ذکر متعدد سوانح نگاروں نے امام طحاویؒ کے ترجمہ میں کیا ہے۔ امام طحاویؒ کی یہ کتاب "نقض كتاب المدلسين على الكرابيسي" اور "الرد على الكرابيسي" کے عنوان سے معروف ہے۔ علامہ بدرالدین عینیؒ نے "عمدة القاري شرح صحيح البخاري" (بَابُ عِرْقِ الإسْتِحَاضَةِ) ج۳ص۲۶۲پر، اور (بَابُ مَا يَقُولُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ) ج۵ص۲۱۹پر اور امام ابن الترکمانی ماردینیؒ نے بھی " الجوهر النقي" میں ج۱ص۱۱، اور ۱۲۸ پر اس کتاب کا ذکر کیا ہے اور اس سے کلام نقل کیا ہے۔ لیکن غالباً یہ کتاب امام طحاویؒ کی مفقودہ کتابوں میں سے ہے جنھیں شاید وقت کی دیمک نے چاٹ لیا یا خونریز جنگوں کے نذر ہو گئی۔ اسی طرح سے امام کرابیسیؒ کی اصل کتاب کا بھی کوئی سراغ نہیں مل سکا ہے۔

عناصر نے دیگر علماءِ دین کے خلاف نازیبا حرکتیں کی ہیں۔ اس مقام پر ہم اس سے زیادہ توسع اور تفصیل فراہم نہیں کرنا چاہتے۔

حافظ ابن حجرؒ کا تعصب اور حقیقت پوشی

قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ یہ مردود قسم کا تعصب صدیوں سے چلا آرہا ہے، اور رکنے کا نام نہیں لے رہا ہے۔ مثال کے طور پر حافظ ابن حجرؒ کو لے لیجیے۔ موصوف اپنی کتاب "لسان المیزان" میں معمر بن شبیب بن شیبہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس شخص نے مامونؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: "میں نے شافعیؒ کا ہر چیز میں امتحان لیا، اور انھیں ہر میدان میں باکمال پایا۔ بس ایک امتحان اور رہ گیا ہے، اگر شافعیؒ اس میں کامیاب ہو جاتے ہیں، تو آپ کا لوہا ماننا ہی پڑے گا۔ اور وہ یہ ہے کہ میں انھیں نبیذ پلانا چاہتا ہوں، اور اگر وہ جید العقل، اور پختہ ذہن ہوں گے تو یہ نبیذ انھیں مغلوب نہ کرسکے گی۔" مجھے مامونؒ کے خادم ثابت نے بتایا کہ مامونؒ نے امام شافعیؒ کو بلایا، اور انھیں ایک رطل نبیذ دی۔ اس پر امام شافعیؒ نے جواب دیا کہ اے امیر المومنین، میں نے نبیذ کبھی بھی نہیں چکھی ہے۔ لیکن اس کے باوجود مامونؒ نے انھیں ایسا کرنے کے لیے مجبور کیا، اور اس کے بعد امام شافعیؒ اسے پی گئے، اور اس کے بعد لگاتار امام شافعیؒ نے بیس رطل نبیذ چڑھالی، اور پھر بھی آپ کی عقل میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور نہ ہی آپ حواس باختہ ہوئے۔ حافظ ابن حجرؒ اس واقعہ کا تعقب کرتے ہوئے تبصرہ فرماتے ہیں: "جو شخص بھی تاریخ کی معمولی معلومات رکھتا ہے وہ اس بات کا آسانی سے پتہ لگا سکتا ہے کہ یہ واقعہ جھوٹا ہے۔"

لیکن اسی حافظ ابن حجرؒ کو آپ "توالي التأنيس" ۵۶ میں دیکھیں تو سہی کہ

کس طرح سے اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ معمر بن شبیب کا کہنا ہے کہ میں نے مامون کو یہ کہتے ہوئے سنا: "کہ میں محمد بن ادریس شافعیؒ کا ہر چیز میں امتحان لے چکا ہوں اور مجھے یہ شخص ہر میدان میں باکمال لگا۔" ابن حجرؒ نے واقعہ کے صرف اسی جز پر اکتفا کیا ہے حالانکہ پورا واقعہ مکذوب ہے۔ آخر کس طرح سے حافظ ابن حجرؒ نے امام شافعیؒ کی کسی منقبت کے اثبات کے لیے کسی واقعہ کے ایک جزو سے استدلال کو روا سمجھ لیا۔ اصولاً جو چیز ایک ہی سند سے مروی ہے یا تو اسے پورے طور پر رد کر دینا چاہیے یا تو پورے طور پر قبول کرنا چاہیے۔ حافظ ابن حجرؒ نے جس عصبیت کا یہاں ارتکاب کیا ہے، اسی کو بعینہ خیانت کہا جاتا ہے۔ "الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة" میں کتنے حنفیہ وغیرہ کے خلاف بھونڈے قسم کے تعصبات کا خود حافظ ابن حجرؒ کے تلمیذ ارشد نے ذکر کیا ہے۔ اس کتاب پر امام سخاویؒ کے حواشی ملاحظہ فرمائیں۔ حافظ ابن حجرؒ سے اس قبیل کی اتنی بے اعتدالیاں ہیں جن کو یہاں اس سے زیادہ تفصیل سے نہیں بیان کیا جاسکتا۔

اسی قبیل سے حافظ ابن حجرؒ کا "توالي التأنيس بمعالي ابن إدريس" [۵۴] میں یہ قول بھی ہے: "قدماء میں اس کے مشہور ہونے کی دلیل وہ روایت

(۵۴) اس کتاب کا صحیح نام "توالي التأنيس بمعالي ابن إدريس" ہے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ کتاب ۱۳۰۱ھ میں بولاق سے "توالي التأسيس لمعالي ابن إدريس" کے عنوان سے شائع کی گئی۔ اس کے بعد یہ کتاب ۱۴۰۶ھ میں دار الکتب العلمیہ سے بھی اسی غلط عنوان کے ساتھ ابو الفداء عبد اللہ القاضیؒ کی تحقیق سے شائع کی گئی۔ جہاں ایک طرف بولاق کے نسخہ میں اغلاط و تحریفات کی کثرت تھی، تو دوسری طرف دار الکتب العلمیہ کا ایڈیشن علمی اخطاء و تحریفات میں اس سے بمراحل آگے بڑھا ہوا ہے۔

ہے جسے بیہقیؒ نے احمد بن عبد الرحمنؒ کے طریق سے روایت کیا ہے۔" ابن حجرؒ

براں مزید محقق نے اس ایڈیشن میں مصنف کی اصل ترتیب کو بھی بلاوجہ بدل دیا ہے۔
حرم مکی کے مکتبہ میں محفوظ اس کتاب کے مخطوطہ کے غلاف پر بھی "توالي التأنيس بمعالي ابن إدريس" صاف صاف لکھا ہوا ہے۔ اس مخطوطہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ انتہائی قدیم نسخہ ہے اور اس کی کتابت امام ابوالخیر عبد العزیز بن فہد ہاشمی مکی شافعیؒ متوفی ۸۹۵ھ کے ذریعہ عمل میں آئی۔ امام ابوالخیر بن فہدؒ کا شمار کبارِ ائمہ میں ہوتا ہے۔ امام سخاویؒ نے آپ کے بارے میں یہاں تک لکھا ہے کہ بلادِ حجاز میں آپ کے والد کے بعد فنِ حدیث میں آپ کا ہم رتبہ کوئی بھی نہ تھا۔
اسی طرح سے حافظ ابن حجرؒ کی حیات اور مصنفات کے بارے میں سب سے بڑی اتھارٹی حافظ سخاویؒ نے اپنی کتاب" الجواهر والدرر في ترجمة شيخ الإسلام ابن حجر" میں بھی اس کتاب کا نام "توالي التأنيس بمعالي ابن إدريس" بتایا ہے۔ اس کے علاوہ جمال الدین ابوالمحاسن تغری بردیؒ متوفی ۸۷۴ھ نے "المنهل الصافي والمستوفي بعد الوافي" میں، اور حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے "نظم العقيان في أعيان الأعيان" ص ۴۷ میں، اور حاجی خلیفہؒ نے "كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون" ج ۱ ص ۵۰۳ میں اور اسی طرح سے محمد بن سلیمان رودانیؒ نے "صلة الخلف بموصول السلف" ص ۳۹۰ میں بھی اس کتاب کا نام "توالي التأنيس بمعالي ابن إدريس" بتایا ہے۔ ان تمام دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ بولاق اور دار الکتب العلمیہ کے ذریعہ مطبوعہ نسخوں پر کتاب کا نام " توالي التأسيس لمعالي ابن إدريس" غلطی سے شائع کر دیا گیا ہے۔ یہ تمام تفاصیل ڈاکٹر موفق بن عبد اللہ بن عبد القادرؒ کی کتاب "توثيق النصوص وضبطها عند المحدثين" ص ۱۳-۱۰۸ سے ملخصاً معمولی تصرف کے ساتھ ماخوذ ہیں۔ یہ کتاب ۱۴۲۹ھ میں صحیح عنوان کے ساتھ عبد اللہ بن محمد کندری کی تحقیق کے ساتھ دار ابن حزم کے ذریعہ شائع کی گئی۔

کو یہ بات اچھی طرح سے معلوم ہے کہ یہ احمد بن عبد الرحمن وہی ہے جو ابن الجارودرقی کے نام سے جانا جاتا ہے، اور یہ مشہور قسم کا کذاب ہے۔ امام بیہقیؒ کا اس شخص کے طریق سے روایت کرنا ابن حجرؒ کے لیے کوئی عذر نہیں ہے، کیوں کہ انھیں اچھی طرح سے معلوم ہے کہ بیہقیؒ امام شافعیؒ کے متعلق عبد اللہ بن محمد بلوی سے موسی بن نجار کے طریق سے معروف جھوٹے سفر کی روایت کرنے سے بالکل گریز نہیں کرتے، حالانکہ اس کا بطلان اور کذب ظاہر ہے۔ ابو نعیم اصفہانیؒ نے بھی یہی حرکت کی ہے، حالانکہ ان دونوں کو یہ بات معلوم ہے کہ بلوی اور نجار دونوں ہی کذاب ہیں، لیکن کیا کیا جائے تعصب کا۔ واقعی یہ خصلت متعصبین کو ہلاکت میں دھکیل دیتی ہے۔ (۵۵)

---

(۵۵) شیخ ابو غدہؒ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ امام کوثریؒ نے اپنی متعدد کتابوں میں اس واقعہ اور اس سے ملتے جلتے ایک دوسرے واقعہ کی تردید کی ہے، اور دونوں مشہور کذاب راوی ابن النجار اور بلوی کی شخصیت سے پردہ اٹھایا ہے۔ اسی طرح سے امام کوثریؒ نے آبریؒ، حافظ ابو نعیمؒ، اور امام بیہقیؒ پر بھی تنقید کی ہے جنھوں نے باجود علم کے اس واقعہ کو اپنی کتابوں میں نقل کر کے سکوت اختیار فرمایا ہے۔ امام کوثریؒ نے اس بات کی جانب بھی تنبیہ فرمائی ہے کہ امام الحرمین ابن الجوینیؒ، اور غزالیؒ، اور رازیؒ کو اس واقعہ سے اس لیے دھوکہ ہوا کیوں کہ یہ حضرات منقولات اور نقدِ رجال کے میدان میں تہی دست تھے۔ اسی طرح سے امام کوثریؒ نے امام نوویؒ پر بھی تنقید کی ہے کیوں کہ موصوف نے بھی اپنی کتاب "المجموع" میں اس واقعہ کو مستند تسلیم کیا ہے، اور اس واقعہ کے مصدر کو ایک مشہور اور مسموع تصنیف گردانا ہے، اور اسی طرح سے امام نوویؒ نے "تهذيب الأسماء واللغات" میں یہ لکھا ہے کہ ابو یوسفؒ نے شافعیؒ کے پاس کسی کو بھیجا جب کہ شافعیؒ کی ملاقات ابو یوسفؒ سے قطعاً نہیں ہوئی۔ اس خیالی سفر اور اس سے ملتے جلتے دوسرے واقعہ میں اور بھی من گھڑت خرافات ملتی ہیں۔ ان تمام واقعات کی پرزور اور

امام ذہبیؒ "میزان الاعتدال" میں اسی نجار کے بارے میں فرماتے ہیں:
"یہ انسان نہیں؛ بلکہ ایک وحشی قسم کا حیوان ہے۔ محمد بن سہل اموی از عبداللہ بن محمد بلوی کے طریق سے امام شافعیؒ سے متعلق ایک امتحان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ واقعہ ناقل کے لیے انتہائی رسوا کن ہے۔ اس خیالی سفر کی تکذیب خود حافظ ابن حجرؒ نے "مناقب الشافعي" ص ۷۱ میں بھی کی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کی ایک قابل مواخذہ حرکت یہ ہے کہ انھوں نے بلوی کو امام شافعیؒ کے شاگردوں میں شمار کرایا ہے، اور اس کے بارے میں صرف ضعیف کا حکم صادر فرمایا ہے، حالانکہ یہ شخص مشہور قسم کا کذاب ہے۔

جن اہم امور و نکات کی جانب ہم قارئین کی توجہ موڑنا چاہتے تھے، اس کے لیے یہ مباحث امید ہے کافی وشافی ثابت ہوں گے۔

مدلل تردید کے لیے امام کوثریؒ کی مندرجہ ذیل کتابیں ملاحظہ فرمائیں: "إحقاق الحق بإبطال الباطل في مغيث الخلق" ص ۱۰-۱۱، "بلوغ الأماني في سيرة الإمام محمد بن الحسن الشيباني" ص ۲۸، "حسن التقاضي في سيرة الإمام أبي يوسف القاضي" ص ۵۴-۵۹۔ اس کے علاوہ "تانيب الخطيب على ما ساقه فى ترجمة ابى حنيفة من الاكاذيب" میں متعدد مقامات پر اس واقعہ کی تردید موجود ہے۔

فہرستِ مراجع

- الإحكام في أصول الأحكام
للحافظ أبي محمد بن حزم الأندلسي الظاهري
تحقيق : أحمد شاكر
- إعلام الموقعين عن رب العالمين
المؤلف: محمد بن أبي بكر بن أيوب ابن قيم الجوزية أبو عبد الله
المحقق: مشهور بن حسن آل سلمان أبو عبيدة
- الانتقاء في فضائل الائمة الثلاثة الفقهاء مالك بن انس والشافعي وابي حنيفة للامام الحافظ ابي عمر يوسف بن عبد البر الاندلسي
اعتنى به عبد الفتاح ابو غدة
الناشر مكتب المطبوعات الاسلامية بحلب،
الطبعة الاولى ١٤١٧ هـ
- تاريخ مدينة السلام (تاريخ بغداد) وذيله والمستفاد، المؤلف: أحمد بن علي بن ثابت الخطيب البغدادي أبو بكر - ابن النجار المحقق: بشار عواد معروف، الناشر: دار الغرب الإسلامي سنة النشر: ١٤٢٢ – ٢٠٠١
- تَأْنِيب الخَطِيب عَلَى مَا سَاقَهُ فِي تَرْجَمَةِ أَبِي حَنِيفَة مِنَ الأَكَاذِيب تَأْلِيف الإِمَام الفَقِيه المُحَدِّث محمد زاهد بن الحسن الكوثري وَكِيل المَشْيَخَةِ الإِسْلَامِيَّة فِي الخِلَافَةِ العُثْمَانِيَّة
- تذكرة الحفاظ للإمام الحافظ شمس الدين، محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي (٧٤٨ هـ) ، المحقق: عبد الرحمن بن يحي المعلمي، الناشر: دائرة المعارف العثمانية، تصوير دار الكتب العلمية

- تقريب التهذيب
المؤلف: أحمد بن علي بن حجر العسقلاني أبو الفضل
شهاب الدين
تحقيق الشيخ محمد عوامة
- تهذيب الكمال في أسماء الرجال
المؤلف: جمال الدين أبو الحجاج يوسف المزي
المحقق: بشار عواد معروف، الناشر: مؤسسة الرسالة
- توثيق النصوص وضبطها عند المحدثين المؤلف: موفق بن عبد الله بن عبد القادر، وصف الكتاب: منشورات : المكتبة المكية / المكية البغدادية الطبعة ١ - ١٤١٤هـ / ١٩٩٣م .
- الجوهر النقي شرح البيهقي-١ - علاء الدين علي بن عثمان بن إبراهيم بن مصطفى المارديني، أبو الحسن، الشهير بابن التركماني (المتوفى: ٧٥٠هـ) ط ١٣١٦ من مطبوعات
مجلس دائرة المعارف ، حيدرآباد الهند
- الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة المؤلف: أحمد بن علي بن محمد بن حجر العسقلاني شهاب الدين الناشر: دائرة المعارف العثمانية
- رجال من التاريخ
المؤلف: علي الطنطاوي
الناشر: دار المنارة - جدة
سنة النشر:١٤١٨ـ - ١٩٩٨
- الرفع والتكميل في الجرح والتعديل
المؤلف : أبو الحسنات محمد بن عبد الحي اللكنوي الهندي
المحقق : عبد الفتاح أبو غدة
الناشر : مكتب المطبوعات الإسلامية
- شرح علل الترمذي لابن رجب، تحقيق: نور الدين عتر
- عقد الجيد في أحكام الاجتهاد والتقليد، تأليف: أحمد بن عبدالرحيم الدهلوي تحقيق: محمد بن علي الحلبي الأثري
الناشر: دار الفتح - الشارقة - الطبعة: الأولى - سنة الطبع: ١٤١٥هـ
- العدة حاشية الصنعاني على إحكام الأحكام على شرح عمدة

الأحكام
المؤلف: محمد بن إسماعيل الأمير الصنعاني
الناشر: المكتبة السلفية
سنة النشر: ١٤٠٩

- عمدة القاري شرح صحيح البخاري للإمام بدر الدين أبي محمد محمود بن أحمد العيني، تحقيق عبد الله محمود محمد عمر، دار الكتب العلمية
- الفقيه و المتفقه
أحمد بن علي بن ثابت الخطيب البغدادي أبو بكر
المحقق: عادل بن يوسف العزازي
- موسوعة فتح الملهم بشرح صحيح الإمام مسلم
المؤلف: شبير أحمد العثماني - محمد تقي العثماني
الناشر: دار إحياء التراث العربي
- الفوائد البهية في تراجم الحنفية
المؤلف: محمد عبد الحي اللكنوى الهندي أبو الحسنات
المحقق: محمد بدر الدين أبو فراس النعاني
سنة النشر: ١٣٢٤
- فيض الباري على صحيح البخاري
أمالي الامام الحافظ الحجة محمد انور شاه الكشميرى، طبعة دهلي
- قواعد في علوم الحديث.
المؤلف: ظفر أحمد بن لطيف العثماني التهانوي رحمه الله.
المحقق: عبد الفتاح أبو غدة رحمه الله.
دار النشر: مكتب المطبوعات الإسلامية
- قوت القلوب في معاملة المحبوب ووصف طريق المريد إلى مقام التوحيد، لمحمد بن علي بن عطية الحارثي المشهور بابي طالب المكي
دار النشر : دار الكتب العلمية - بيروت / لبنان ـ
١٤٢٦ هـ -٢٠٠٥ م
الطبعة : الثانية تحقيق : د.عاصم إبراهيم الكيالي
- المبسوط للإمام شمس الأئمة أبو بكر محمد بن أبي سهل

السرخسي الفقيه، مطبعة السعادة - مصر - ۱۳۳۱ هـ

- المسلمون في الهند
أبو الحسن الندوي، الناشر: دار ابن كثير
سنة النشر: ١٤٢٠هـ - ١٩٩٩م الطبعة: ١

- مناقب الإمام أبي حنيفة وصاحبيه أبي يوسف ومحمد بن الحسن

المؤلف: أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي (٦٧٣ - ٧٤٨هـ)

المحقق: محمد زاهد الكوثري أبو الوفاء الأفغاني

الناشر: لجنة إحياء المعارف النعمانية

الطبعة: الرابعة - ١٤١٩هـ / ١٩٩٩م

- ميزان الاعتدال للإمام الحافظ شمس الدين، محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي (٧٤٨ هـ) طبعة مؤسسة الرسالة

- نصب الراية لأحاديث الهداية - وبغية الألمعي في تخريج الزيلعي
المؤلف: جمال الدين أبو محمد عبد الله بن يوسف الزيلعي الحنفي
المحقق: محمد عوامة الناشر: دار القبلة للثقافة الإسلامية - مؤسسة الريان - المكتبة المكية

- وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان

للقاضي المورخ أحمد بن محمد بن أبي بكر بن خلكان أبو العباس شمس الدين، دار صادر - بيروت - ۱۹۷۲

- Encyclopedia Britannica, 1979, USA

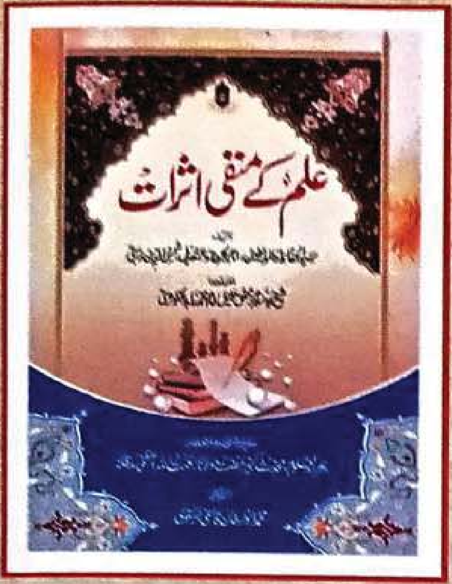

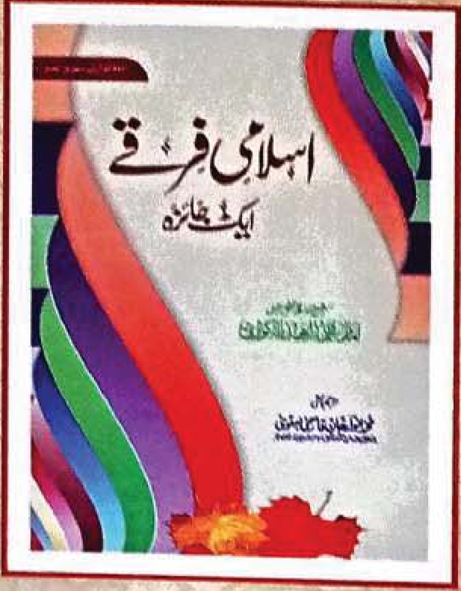

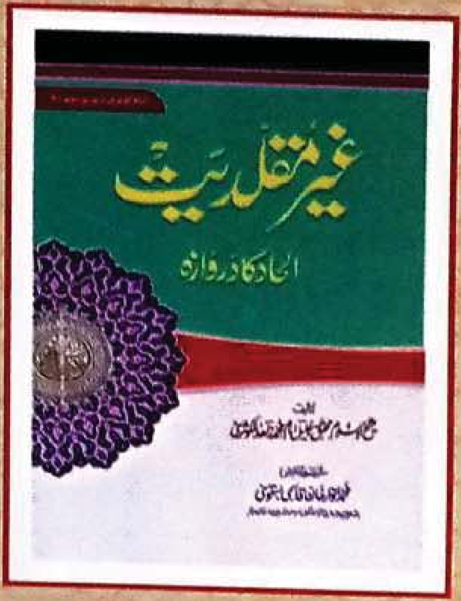

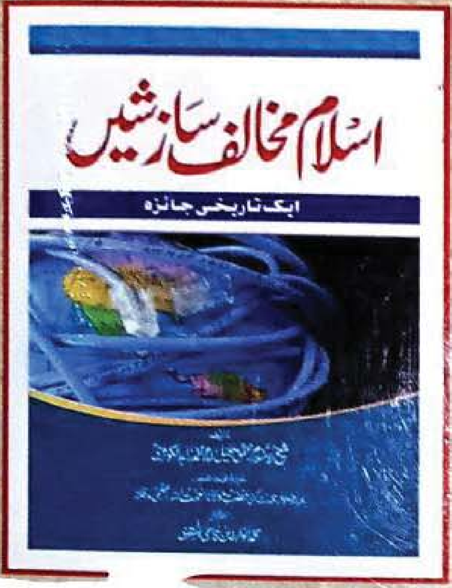

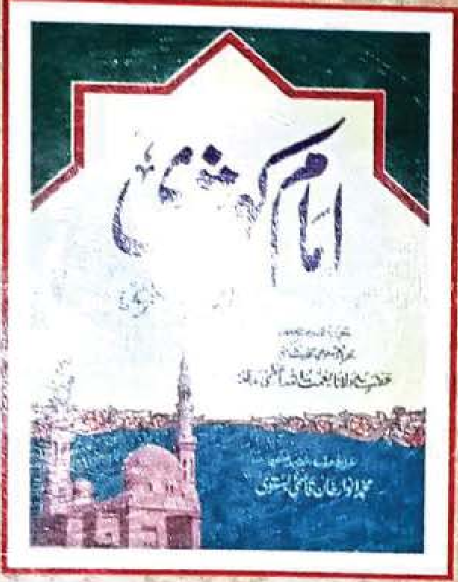

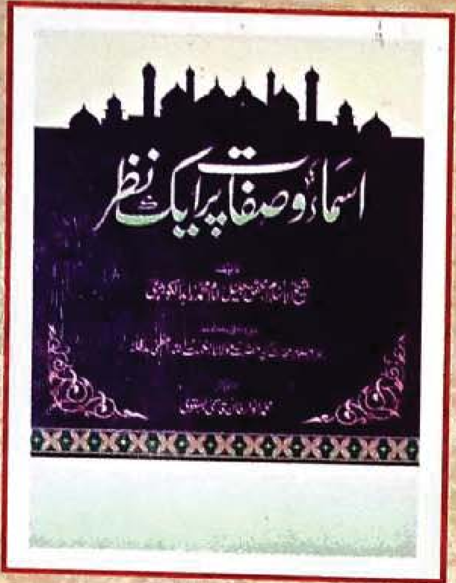

Published by

Islamic Research and Education Trust

Shahre Tayyib, Behind Eidgah, Qasimpura Road
Deoband, Saharanpur, UP, India, Pin: 247554
Website: www.deobandcenter.com, Email:deobandcenter@gmail.com
Cell: +91 888 111 5518

In association with

Maktaba Sautul Qurãan

Madani Market, Near Darul Uloom, Deoband, 247554
01336-223460, 9358911053
Email: faizulhasanazmi@gmail.com